ماہنامہ
جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

جلد نمبر 27......شمارہ نمبر 07 ...... جولائی 2020 (قیمت 10 روپے)

Monthly JEHD-E-HAQ - July 2020 - Registered No. CPL-13

یزمان، بہاولپور: بالآخر غریب ہندوؤں سے رہائش کا حق بھی چھن گیا

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:	
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال / مہینہ / تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں / محلّہ
	ڈاک خانہ / تحصیل وضلع
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں / نہیں
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)	
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل	

7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کارکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	1-			
	2-			
	3-			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	1-			
	2-			
	3-			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں

14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ

15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: .....

تاریخ:

.....

فہرست

پریس ریلیزیں 03

یزمان، بہاولپور میں ہندو گھروں کی مسماری 05

دنیا بھر کی استبدادی ریاستیں رابطوں کے سراغ کے نام پر اپنے شہریوں کی کڑی نگرانی میں مزید اضافہ کر رہی ہیں 07

عالمی وباء ایک گزرگاہ ہے 08

پاکستان میں ایک مسلمان اپنا مذہب تبدیل کر کے آرام سے نہیں رہ سکتا 11

مندر نہیں بنے گا 12

شیخوپورہ میں احمدی برادری کا انتظامیہ اور مقامی افراد پر قبروں کی بے حرمتی کا الزام 13

بلوچستان کے لاپتہ افراد: لاپتہ ہونے سے قبل دھمکی آمیز فون آتے تھے 14

جی ہاں، بلوچوں کی زندگیاں بھی معنی رکھتی ہیں 15

ایئر مارشل ظفر چوہدری کی یاد میں چند باتیں 16

علم خان کی گمشدگی 17

ٹیکسٹائل انڈسٹریز میں انسانی حقوق کا استحصال 18

کم عمری میں سزائے موت پانے والا قیدی رہا 18

بہاولپور میں ہندوؤں کے گھروں کی مسماری غیر قانونی، غیر انسانی ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کو ایک آزادانہ فیکٹ فائنڈنگ مشن کے انعقاد کے بعد یہ معلوم ہوا ہے کہ یزمان (ضلع بہاولپور) کے چک 52 ڈی بی میں ہندو برادری کے گھر مسمار کرنے کی ذمہ داروہاں کی مقامی انتظامیہ ہے۔

یزمان کے اسسٹنٹ کمشنر کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے ایک مقامی رجسٹرار کی جانب سے درج کرائی گئی شکایت پر کارروائی کی جس میں الزام عائد کیا گیا تھا کہ ہندو برادری نے 'ریاست کی زیر ملکیت زمین غیر قانونی طور پر' فروخت کرنے کی کوشش کی۔ ایچ آر سی پی کے پاس یہ یقین کرنے کی ٹھوس وجوہات موجود ہیں کہ موخر الذکر، محمد بوٹا نے سیاسی روابط کے استعمال اور دھمکیوں کے ذریعے ہندو برادری کو زمین فروخت کرنے پر مجبور کیا جو انہیں 2018 میں بورڈ آف ریونیو نے گھروں کی تعمیر کے لیے قانونی طور پر الاٹ کی تھی۔ ہندو برادری کے پاس اس الاٹمنٹ کا دستاویزی ثبوت (جو ایچ آر سی پی کے پاس بھی دستیاب ہے) موجود ہے۔ برادری نے الزام عائد کیا ہے کہ مسٹر بوٹا کا مقصد اپنی زیر ملکیت اراضی میں اضافہ کرنا ہے۔

ہندو برادری، جسے مسٹر بوٹا نے دھمکیاں دی تھیں جس کے بعد انہیں اس بات کا خوف تھا کہ ایسا ہوگا، نے بہاولپور بنچ کے ایک سینئر سول جج کو ایک پٹیشن درج کرائی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ وہ ایسے کسی بھی کارروائی کو روکنے کا حکمنامہ جاری کریں۔ تاہم، اس کے باوجود ان کے گھروں کو مسمار کر دیا گیا۔ اگرچہ ایک حکم امتناع جاری کیا گیا تاہم 20 مئی 2020 کو 25 گھروں کو مسمار کر دیا گیا اور 10 کو جزوی طور پر نقصان پہنچا جس کے باعث بچوں سمیت کئی رہائشی اپنے گھروں سے محروم ہو گئے۔ ایچ آر سی پی کو انٹرویو دینے والی ایک خاتون کا دعویٰ ہے کہ اسے بالوں سے گھسیٹ کر گھر سے باہر نکال دیا گیا۔

ایچ آر سی پی کو اس بات پر سخت تشویش ہے کہ ہندو برادری، جو ایک مذہبی اقلیت ہونے کی بناء پر پہلے ہی غیر محفوظ ہے، کو ان کے مذہب کی بنیاد پر نشانہ بنایا گیا تا کہ مقامی قبضہ گیروں کو فائدہ پہنچایا جا سکے۔ درحقیقت، مسٹر بوٹا نے ہندو برادری کو نامعقول طور پر 'ہندو قبضہ گیر' قرار دیا۔ ایچ آر سی پی وفاقی وزیر برائے ہاؤسنگ اینڈ ورکس، طارق بشیر چیمہ سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ان مجرموں کے خلاف کارروائی کریں جن کا دعویٰ ہے کہ انہیں مذکور وزیر کی حمایت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ، پنجاب حکومت کو اس مسماری سے متاثر ہونے والے تمام خاندانوں کو معاوضہ ادا کرنا چاہئے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 05 جون 2020]

کووڈ ایس او پیز کے نفاذ کے لیے سٹن بیٹن کا استعمال ایذا رسانی کے مترادف ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کو یہ جان کر شدید صدمہ پہنچا ہے کہ فیصل آباد کی ضلعی انتظامیہ اور مقامی پولیس نے کووڈ 19 سے متعلق ایس او پیز پر عمل درآمد کے لیے سٹن بیٹن کا استعمال کیا ہے۔ یہ آئین پاکستان کے آرٹیکل 14 اور اقوام متحدہ کے ایذا رسانی کے خلاف معاہدے، جس کا پاکستان فریق ہے، دونوں کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

سٹن بیٹن اور ایسے دیگر زرائع کے استعمال کو واضح طور پر ریاست کی حمایت حاصل ہے کیونکہ پولیس کو ایسے آلات سے لیس کیا گیا ہے حالانکہ پاکستانی قانون میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ یہ اقدام ایذا رسانی اور طاقت کے غیر متناسب استعمال کے مترادف ہے جس کی انسانی حقوق کے بین الاقوامی معاہدوں کے تحت ممانعت ہے۔ ایسا پہلی دفعہ نہیں ہوا کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے کورونا سے متعلق ایس او پیز کے نفاذ کے لیے رجعت پسندانہ ذرائع کا استعمال کیا ہو۔ ایسی اطلاعات ابتدائی لاک ڈاؤن کے دوران بھی سامنے آتی رہی ہیں کہ لوگوں کو لاک ڈاؤن کی مبینہ خلاف ورزی پر ذلت آمیز سلوک کا نشانہ بنایا گیا۔

ایذا رسانی اور ظالمانہ، غیر انسانی اور ذلت آمیز سلوک کی مکمل طور پر ممانعت ہے جسے کووڈ 19 کی موجودہ صورتحال سمیت کسی بھی حالات میں جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس بحران کا مقابلہ کرنا ضروری ہے, لیکن انسانی حقوق کی قیمت پر نہیں۔

ایچ آر سی پی پنجاب حکومت اور پنجاب پولیس سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس معاملے کی تحقیقات کریں اور متعلقہ افسران اور ضلعی حکومت کے عہدے داروں کو جوابدہ بنائیں۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔09 جون 2020]

حکومت ایذا رسانی کے خلاف قانون سازی کرے: ایچ آر سی پی، جے پی پی

رفیع اللہ عرف عامر کے ساتھ روا رکھا جانے والا غیر انسانی سلوک، پولیس کے ہاتھوں ایذا رسانی کا پہلا واقعہ نہیں۔ بدقسمتی سے یہ پاکستان میں پولیس گردی کی محض ایک جھلک ہے جس کا اظہار آئے روز غیر قانونی حراست، ایذا رسانی اور زیر حراست ریپ اور ہلاکتوں کی صورت میں ہوتا رہتا ہے۔

تہکال کے رہائشی عامر کو سوشل میڈیا پر پوسٹ کی گئی ایک ویڈیو میں پولیس کے خلاف نازیبا زبان استعمال کرنے کی پاداش میں گرفتار کیا گیا تھا۔ حراست کے دوران اسے مار پیٹ کا نشانہ بنایا گیا اور نیم برہنہ حالت میں پشاور میں گھمایا گیا۔ اس سے قبل ایک چودہ سالہ بچے کو بھی پولیس ناکے سے متعلق ایک تصویری خاکہ سوشل میڈیا پر شیئر کرنے کے الزام میں گرفتار کیا جا چکا ہے۔

ذہنی طور پر بیمار صلاح الدین، سے لے کر مالی کا کام کرنے والے عامر مسیح تک، غیر قانونی حراست اور حراست کے دوران ہلاکت کے یکے بعد دیگرے واقعات ایک تشویشناک تواتر کا اظہار ہیں: یعنی قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے طاقت اور اختیار کے بے جا استعمال کے بعد عوامی غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے چند عارضی اقدامات جو کسی قسم کی موثر جوابدہی پر منتج نہیں ہوتے، اور پھر ایسے واقعات فراموش کر دیئے جاتے ہیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے گزشتہ برس حراست کے دوران 20 ہلاکتیں ریکارڈ کی ہیں، یہ اعداد و شمار اخباری اطلاعات پر مبنی ہیں حقیقت میں ایسی ہلاکتوں کی تعداد کہیں زیادہ ہو سکتی ہے۔

آیئے، اس برس 26 جون کو ایذا رسانی کے شکار افراد کی حمایت میں منائے جانے والے عالمی دن کے موقع پر ہم ایذا رسانی کے خلاف موثر قانون سازی کا عہد کریں۔ آیئے ایذا رسانی کے مرتکب افراد کے سزا و جزا سے بالاتر ہونے کا کلچر ختم کرنے کا عہد کریں۔

پاکستان میں ایذا رسانی کے خلاف قانون سازی کی متعدد کوششیں ہو چکی ہیں۔ رواں برس فروری میں 2020Bill(Punishment and Prevention) Death Custodial and Torture.

سینٹ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ سینٹ کمیٹی کے سامنے زیر التوا یہ قانون ایذا رسانی کے خلاف موثر اور جامع قانون سازی کا ایک نادر موقع ہے۔ سول سوسائٹی کا چاہیئے کہ وہ ایسے قوانین کا تنقیدی کا جائزہ لے، حکومت کا فرض ہے کہ وہ انسانی حقوق کے کارکنان اور تنظیموں کے موقف کو قانون سازی کے عمل کا حصہ بنائے۔

آئین کی شق 14(2) کے تحت ہر شہری کو ایذا رسانی سے حاصل تحفظ کو یقینی بنانا پارلیمان کی ذمہ داری ہے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔25 جون 2020]

نیٹ نہ ہونے کے باوجود آنلائن کلاسز کے فیصلے کے خلاف احتجاج پر گرفتاریوں کی مزمّت

ایچ آر سی پی ریجنل آفس تربت بلوچستان کے کوآرڈینیٹر نے ایک پریس ریلیز جاری کرتے ہوئے بلوچستان میں نیٹ نہ ہونے کے باوجود آن لائن کلاسز کے فیصلے کے خلاف احتجاج کرنے پر کثیر تعداد میں طلبا و طالبات کی گرفتاریوں کی شدید مذمت کی ہے اور حکومت سے پُرزور مطالبہ کیا ہے کہ کسی امتیاز کے بغیر بلوچستان بھر میں 4G نیٹ سروس فراہم کرے اور اس کے بعد آنلائن کلاسس کا فیصلہ کرے تاکہ اس کے فیصلے کا کوئی مقصد اور فائدہ بھی ہو۔ ایچ آر سی پی ریجنل افس تربت مکران کے ترجمان نے پریس ریلیز میں کہا ہے کہ گزشتہ دنوں طلبا ایکشن کمیٹی کی طرف سے پریس کلب کوئٹہ میں نیٹ کے بغیر آنلائن کلاسس کے خلاف طلبا و طالبات نے بھوک ہڑتال شروع کی اور پھر 24 جون 2020 کو جب اپنا احتجاج بہتر طور پر رکارڈ کروانے اور مطالبات منوانے کے لئے بلوچستان ہائی کورٹ کی جانب مارچ کرنے لگے تو پولیس نے انہیں آگے بڑھنے سے روک کر ان پر تشدد کیا اور انہیں پکڑ پکڑ کر اس انداز میں گاڑیوں میں ٹھونسا اور لے جا کہ کوئٹہ کے دو پولیس تھانوں میں بند کر دیا جیسے وہ پیشہ ور مجرم ہوں۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ بلوچستان حکومت کے ترجمان لیاقت شاہوانی نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ انہیں اس لئے گرفتار کر کہ پولیس تھانوں میں بند کر دیا گیا ہے کہ انہوں نے دفعہ 144 اور سوشل دسٹینسنگ کی خلاف ورزی کی ہے۔

ہم محترم شاہوانی سے پھوچنا چاہتے ہیں کہ کیا طلبا و طالبات کو صفا کانہ انداز میں پکڑ پکڑ کر گاڑیوں میں ٹھونسنے اور لے جا کر تھانوں میں ایک ساتھ بند کرنے سے دفعہ 144 اور سوشل ڈسٹنسنگ کی خلاف ورزیاں نہیں ہونگیں؟ ترجمان نے آخر میں بلوچستان کے تمام طلبا و طالبات سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے اور حکومت، محکمہ تعلیم اور HEC سمیت تمام متعلقہ سرکاری اداروں، حکام اور افسران سے اپیل کی ہے کہ برائے کرم طلبا و طالبات کے ساتھ مخالفانہ انداز میں پیش آنے کی بجائے پہلے انہیں با قائدہ اور بلا امتیاز 4G نیٹ فراہم کریں اور پھر انہیں آنلائن تعلیم دلانے کی کوششیں کریں جو ان کے سب سے بڑھے بنیادی حقوق میں سے ہے۔

[پریس ریلیز۔تربت۔24 جون 2020]

پی ایل ڈبلیو ڈی کے ملازمتی کوٹے کا خاتمہ ناقابل جواز ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کو یہ جان کر شدید تشویش ہوئی ہے کہ حکومت نے مئی میں ایک صدارتی حکمنامے کے ذریعے کمپنیز ایکٹ 2017 کی دفعہ 459 کو حذف کر کے سرکاری و نجی اداروں میں معذوریوں کے شکار افراد کا ملازمتی کوٹہ ختم کر دیا ہے۔

ستم ظریفی دیکھیے کہ یہ فیصلہ اس وقت لیا گیا ہے جب آئی سی ٹی معذوریوں کے شکار افراد کے حقوق کے مسودے 2020 کی قومی اسمبلی میں منظوری کو ابھی بمشکل چار ماہ ہی گزرے ہیں۔ یہ ایک ایسا مسودہ تھا جس میں وزیر برائے انسانی حقوق نے خاص دلچسپی لی تھی۔ یہ فیصلہ اس لحاظ سے اور بھی زیادہ غیر معقول ہے کہ یہ ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب حکومت کو ویڈ 19 کے بحران کے دوران لوگوں کے روزگار کے حق کو محفوظ بنانے کا دعویٰ کر رہی ہے۔ پی ایل ڈبلیو ڈیز جو کہ پہلے سے ہی پسے ہوئے ہیں، کو اس تحفظ سے محروم کرنا ناقابل جواز فعل ہے۔

ایچ آر سی پی حکومت کو یاد دہانی کرانا چاہتا ہے کہ پاکستان معذوریوں کے شکار افراد کے معاہدے کا فریق ہے اور یوں اس کی تمام شقوں کی پاسداری کرنے کا پابند ہے جن کا تعلق پی ایل ڈبلیو ڈیز کے کام اور روزگار سے ہے۔ کمیشن کا حکومت سے پُرزور مطالبہ ہے کہ وہ ملازمتی کوٹے پر اپنا فیصلہ فوری طور پر واپس لے اور پی ایل ڈبلیو ڈیز کے روزگار کو قدرے منصفانہ اور بہتر تحفظ فراہم کرے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔یکم جون 2020]

یزمان، بہاولپور میں ہندو گھروں کی مسماری

تحقیقاتی رپورٹ

27 مئی 2020 کو پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کو اطلاعات موصول ہوئیں کہ ضلع بہاولپور کے شہر یزمان کے چک (گاؤں) 52/ڈی بی میں مقامی انتظامیہ نے ہندو برادری کے کئی گھر مسمار کر دیے ہیں۔ ایچ آر سی پی کے مرکزی دفتر نے اپنے علاقائی دفتر ملتان کو واقعے کی تحقیقات کے لیے ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم تشکیل دینے کی ہدایات جاری کیں۔ 28 مئی کو فیصل محمود ایڈووکیٹ، نوشین بلوچ، خواجہ اسد اللہ اور طاہر سلطان پر مشتمل چار رکنی ٹیم نے حالات واقعات کی چھان بین کرنے اور متاثرہ لوگوں کے انٹرویوز کرنے کے لیے یزمان سے لگ بھگ سات کلومیٹر کے فاصلے پر واقع چک 52/ڈی بی میں متاثرہ علاقے کا دورہ کیا۔

پس منظر

چک 52/ڈی بی میں صوبائی حکومت کی زیرِ ملکیت ریت کے ٹیلوں پر مشتمل پچاس ایکڑ اراضی خالی پڑی ہوئی تھی۔ 04 جنوری 2018 کو میاں رام ولد بھوریا رام اور روپا ولد کالو نے ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر کو پٹیشن جمع کروائی کہ 'پانچ مرلہ' منصوبے کی مطابقت میں، چک نمبر 52/ ڈی بی میں کھاتونی 278، کھاتہ 102، مربع 241 میں واقع کلہ جات 11-25 ہندو برادری کو الاٹ کیے جائیں کیونکہ ہندو برادری کے پاس رہائش کے لیے اراضی نہیں ہے۔

7 دسمبر 2018 کو ڈپٹی سیکریٹری کالونیز، ریونیو بورڈ (پنجاب) نے نوٹیفکیشن 2172-2018 جاری کیا جس میں تجویز پیش کی کہ کھاتہ 102، کھاتونی 278 میں کلہ جات 11-25 میں ساڑھے بارہ ایکڑ (یا 100 کنال) اراضی ہندو برادری کے لیے وقف کی جائے۔ اسسٹنٹ ڈپٹی کمشنر بہاولپور کو ہدایت کی گئی کہ وہ اراضی کی اس تخصیص کو مکمل کرنے کے لیے قانون، اصول اور پالیسی' کے تحت ضروری کاروائی کریں؛ 'جناح کالونی' کے نام سے پانچ مرلہ اسکیم کا نقشہ بھی کھینچا گیا۔

چنانچہ، کونسلر منشارام، دھرمارام، بھاگیارام، تلشارام، مولیا رام، چیتا رام، راملا، روپا، روکڑی رام، جیون رام، کنیا رام، سروپ رام، سجانیا رام، رامیا رام، یاترا رام، ماہیا رام، سرامیا رام، لالا رام، اور تتزمارام سمیت ہندو برادری کے لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت اپنے نئے گھر تعمیر کرنا شروع کر دیے۔

20 مئی 2020 کو اسسٹنٹ کمشنر یزمان محمد شاہد کھوکھر نے ان گھروں کی تعمیر کو غیر قانونی قرار دیا اور حکم دیا کہ ہندو برادری کے تمام 35 گھروں کو گرا دیا جائے۔ دوپہر کے وقت، اشٹام فروش محمد بوٹا، تحصیلدار صادق خان، حلقہ پٹواری عطا اللہ اور زمان تھانہ صدر (مرکزی پولیس اسٹیشن) کے پولیس اہلکاروں نے میونسپل کارپوریشن کے بلڈوزر استعمال کرتے ہوئے گھر گرانا شروع کر دیے۔ متاثرہ ہندو برادری کے لوگوں نے احتجاج کیا تو تحصیلدار صادق خان نے دھمکی دی کہ جس کسی نے مزاحمت کی اسے گرفتار کیا جائے گا۔ 35 میں سے 25 گھروں کو مکمل طور پر زمین بوس کیا گیا جبکہ 10 کو جزوی طور پر توڑا گیا۔

متاثرہ لوگوں کے بیانات

لگ بھگ 25 متاثرہ افراد نے ایچ آر سی پی کی تحقیقاتی ٹیم کو بیانات دیے۔ ان کا کہنا تھا کہ انہیں اور ان کے نوعمر بچوں کو گھروں سے باہر جلتی دھوپ پر رہنے پر مجبور کیا گیا، وہ درختوں کے سائے تلے پناہ لینے پر مجبور ہوئے، اور انہیں کسی قسم کی مدد فراہم نہیں کی گئی۔

منشارام نے ایچ آر سی پی کی تحقیقاتی ٹیم کو بتایا کہ یہ چیز ان کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ اگر ان گھروں کو گرایا جانا تھا تو پھر 2018 میں انہیں گھر تعمیر کرنے کی اجازت ہی کیوں دی گئی (غالب امکان ہے کہ ایڈیشنل کمشنر ریونیو نے زبانی اجازت دی تھی)؛ متاثرہ آبادی کا خیال ہے کہ انہوں نے بڑی محنت و مشقت سے اپنے گھر تعمیر کیے تھے، اس لیے انہیں گرایا جانا ایک 'ظالمانہ' اور 'غیر قانونی' اقدام ہے۔ انہوں نے ٹیم کو بتایا کہ گاؤں 59/ڈی بی کا رہائشی محمد بوٹا اشٹام فروش اور نکاح رجسٹرار ہے؛ منشارام نے محمد بوٹا کو ایک وفاقی وزیر (یہاں تک کہ وزیر کا نام بھی لیا) کا خاص بندہ قرار دیا۔ منشارام نے دعویٰ کیا کہ محمد بوٹا جو ہندو کالونی سے ملحقہ تین ایکڑ اراضی کا مالک ہے، نے ہندو برادری پر دباؤ ڈالا کہ وہ کل 100 کنال اراضی میں سے سامنے والے حصے کی 40 کنال اراضی اُسے دے، یا وہ اراضی کسی دوسرے ہندو فرد کو فروخت کرے اور اُسے بطور معاوضہ ساٹھ لاکھ روپے ادا کرے۔ منشارام کے بقول، ہندو برادری کے انکار پر محمد بوٹا ناراض ہو گیا اور اُس نے کہ وہ ہندو برادری کو اراضی کی الاٹمنٹ کا جاری شدہ نوٹیفکیشن معطل کروانے کی دھمکی دی۔

چیتارام نے تحقیقاتی ٹیم کو بتایا کہ کالونی کی غیر رسمی منظوری کے وقت سے محمد بوٹا 40 کنال اراضی کا مطالبہ کر رہا تھا۔ 20 مئی 2018 کو محمد بوٹا اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ آیا اور وہاں ان کی عورتوں کی ویڈیو بنانا شروع کر دی۔ چیتارام کی بیٹی رملا نے اسے ویڈیو بنانے سے منع کیا تو محمد بوٹا اور اس کے ساتھیوں نے اسے چھڑیوں اور ڈنڈوں سے مارنا پیٹنا شروع کر دیا جس سے وہ شدید زخمی ہو گئی۔ اُسی دن، چیتارام کے بیٹے جگتارام نے محمد بوٹا اور اس کے ساتھیوں کے خلاف زمان سٹی پولیس اسٹیشن میں ایک ایف آئی آر (86/2018) درج کروائی۔

البتہ، محمد بوٹا اور دیگر ملزمان کو گرفتار نہیں کیا گیا تھا، نہ ہی کوئی کاروائی کی گئی۔ ایف آئی آر ختم کر دی گئی۔ چیتارام نے بتایا کہ چک 56/ڈی بی کے زبیر جھولک، چک 50 کے کونسلر سلیمان، اور چک 2 کے محمد طارق بھی وفاقی وزیر کے قریبی ساتھی ہیں۔ جس کی وجہ سے انہوں نے غریب باشندوں کو ہراساں کرتے، اور انہیں غیر ضروری مسائل سے دوچار کرتے ہیں، خاص طور پر مذہبی اقلیتوں کے لوگوں کو۔ وہ اُن سے بھتہ طلب کرتے اور اُن کی زمین پر غیر قانونی قبضے کرتے ہیں۔

پیلوان رام نے بتایا کہ وہ ایک چھوٹی اور غریب کمیونٹی ہیں: کوئی بھی ان کی شکایات سننے کو تیار نہیں تھا۔ اُنہیں اکثر اوقات دھمکی دی جاتی ہے کہ یزمان کو 'ہندوستان نہیں بننے دیا جائے گا'۔

متاثرہ لوگ ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ ٹیم کو واقعے سے آگاہ کر رہے ہیں

متاثرہ خواتین میں سے ایک روکڑی رام نے ایچ آر سی پی کی تحقیقاتی ٹیم کو بتایا کہ وہ اپنے خاوند سے الگ ہو کر مسلمانوں کے کھیتوں میں کام کرتی تھی تا کہ اپنے گھر کی تعمیر کے لیے درکار پیسے کما سکے۔ 20 مئی 2020 کو اس کا گھر بھی گرایا گیا اور اس کی تمام گھریلو املاک ملبے تلے دب گئیں۔ اس کا کہنا تھا کہ محمد بوٹا نے اسے بالوں سے پکڑا اور گھسیٹ کر گھر سے باہر نکال دیا اور اس کے گھر کو زمین بوس کر دیا۔

تقریباً 25 افراد نے تفصیل کے ساتھ بتایا کہ کس طرح ان کے گھروں کو گرایا گیا اور اب کس طرح وہ گرم موسم میں کھلے آسمان تلے رہنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں۔

کرشنا رام کے بیٹے روپا رام نے بتایا کہ انہیں محمد بوٹا سے اُس وقت سے دھمکیاں مل رہی ہیں جب سے انہوں نے اُس کے خلاف مقدمہ درج کروایا تھا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ڈپٹی کمشنر بہاولپور جناح کالونی کے نوٹیفکیشن کو معطل کرنے والے

ہیں تو انہوں نے کالونی کی مسماری کے خلاف حکم امتناع جاری کروانے کے لیے سینئیر سول جج بہاولپور کو ایک درخواست جمع کروادی۔اس حوالے سے ایک حکم امتناع جاری ہوگیا (25 مئی 2019 کو) جبکہ مقدمہ ابھی عدالت میں زیرسماعت ہے ۔ انہوں نے ٹیم کو عدالت میں زیرسماعت مقدمے کی نقول دکھائیں، اور یہ بھی بتایا کہ جب اس نے تحصیلدار صادق خان کو عدالتی حکمنامہ دکھایا تو موخرالزکر نے نہ صرف حکمناموں کو ماننے سے انکار کیا بلکہ رویا رام کو کئی تھپڑ مارے۔

ایک اور متاثرہ فرد کنیا رام کا کہنا تھا کہ اس واقعے کے باعث انہیں بہت زیادہ معاشی نقصان کا سامنا کرنا پڑا ہے۔کنیا کے بقول، ان کے ہر ایک گھر کی مالیت دو سے تین لاکھ روپے تھی، اور وہ تمام گھر بڑی حد تک تباہ ہوگئے ہیں۔

اضافی بیانات

یزمان میں پاکستان تحریک انصاف کے سیکریٹری مقصود ملک جو کہ ایچ آر سی پی ٹیم کی موقع پر موجودگی کے دوران وہاں آئے، نے کہا کہ مسماری کے آپریشن کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد، خبر سامنے آنے کے فوری بعد وہ موقع پر پہنچ گئے تھے۔ اُس وقت تک، 25 گھر مکمل طور پر جبکہ 10 جزوی طور پر تباہ کر دیے گئے تھے۔ مقامی انتظامیہ کا عملہ آپریشن مکمل کر کے جا چکا تھا۔مقصود ملک نے ہندو برادری کے ساتھ ہونے والے برے سلوک پر افسوس کا اظہار کیا۔انہوں نے بتایا کہ محمد بوٹا کے طاقتور سیاسی حلقوں کے ساتھ روابط ہیں جس کی وجہ سے وہ ہندو برادری سے پانچ ایکڑ اراضی مانگ رہا ہے اور اس کا محاسبہ نہیں ہو رہا۔مقصود ملک نے دعویٰ کیا کہ گھروں کی مسماری کے بعد انہوں نے مقامی حلقے سے قومی اسمبلی کے رکن (جو بعد میں وفاقی وزیر بنے) طارق بشیر چیمہ کو محمد بوٹا اور ان کے ساتھیوں کے خلاف شکایات کی تھیں، مگر ان کا کچھ بھی نہیں بنا۔مقصود ملک کا کہنا تھا کہ اگر وفاقی وزیر کا محمد بوٹا اور ان کے ساتھیوں کے اقدامات سے کوئی تعلق نہیں تو پھر انہیں متاثرہ لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرنا چاہیے تھا اور ان کی مدد کرنی چاہیے تھی۔

ایچ آر سی پی کی ٹیم نے ہندو برادری کے قانونی نمائندے سلیم گل سے بھی ملاقات کی۔مقصود گل نے بتایا کہ ان لوگوں کے گھر عدالتی احکامات کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے گرائے گئے ہیں۔اگرچہ اُنہوں نے کسی خاص فرد کا نام نہیں لیا مگر اُن کا کہنا تھا کہ " کسی طاقتور فرد' کے ملوث ہونے کے ٹھوس شواہد موجود ہیں۔انہوں نے کہا کہ متاثرہ افراد غیر قانونی قابض نہیں تھے، نہ ہی انہوں نے ریاست کی اراضی پر غیر قانونی طور پر اپنے گھر تعمیر کیے تھے۔اُن کا کہنا تھا کہ اگر ان گھروں کی تعمیرات غیر قانونی تھی تو دو برس قبل انہیں تعمیر ہی کیوں ہونے دیا گیا؟ اراضی کو برسوں کی مشقت سے قابل رہائش بنایا گیا ہے مگر گھروں کو ظالمانہ طریقے سے مسمار کر دیا گیا۔انہوں نے مزید کہا کہ مذہبی اقلیتوں کے خلاف ایسی کاروائیں تیز ہو رہی ہیں۔

ایچ آر سی پی کی ٹیم نے تحصیلدار کا مؤقف جاننے کے لیے اُن کے دفتر کا دورہ کیا، مگر وہ وہاں موجود نہیں تھے اور اُن کا موبائل فون بھی بند جا رہا تھا۔تب، ٹیم اسسٹنٹ کمشنر یزمان محمد شاہد کھوکھر سے ملی۔اُنہوں نے ٹیم کو بتایا کہ چک 59 / ڈی بی کے رہائشی محمد بوٹا نے 11 مئی 2020 کو ایک شکایت درج کروائی تھی کہ منشا رام اور چیتا رام نے شہر یزمان کے چک 52 / ڈی بی میں کھاتہ نمبر 102، کھاتونی 278، مربع 241، کلہ جات 11-25 کی سرکاری زمین پر غیر قانونی قبضہ کر رکھا ہے۔محمد بوٹا نے الزام عائد کیا تھا کہ ہندو برادری سرکاری اراضی فروخت کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔بوٹا کا مزید کہنا تھا کہ منشا رام اور دیگر چک 59 / ڈی بی میں مسلم قبرستان میں شراب فروخت کرتے ہیں، اور یہ کہ ایسی کاروائیوں سے قبرستان کا تقدس پامال ہوتا ہے۔وہ ان "ہندو قابضین' کے خلاف قانونی کاروائی چاہتا تھا۔محمد شاہد کھوکھر نے واضح کیا کہ 'میں نے تحصیلدار صادق خان سے رپورٹ طلب کی جن کی سفارش پر، بطور اسسٹنٹ کمشنر، میں نے گھروں کی مسماری کے احکامات جاری کیے۔

ایچ آر سی پی کی ٹیم نے اسسٹنٹ کمشنر کو مطلع کیا کہ متاثرہ افراد کے پاس عدالتی حکمنامہ ہے جس میں ان کے گھر گرانے سے منع کیا گیا ہے اور یہ کہ ہندو برادری کو زمین الاٹ کرنے کا ریونیو بورڈ پنجاب کا نوٹیفکیشن بھی جاری ہوا تھا تو اس پر اسسٹنٹ کمشنر نے کہا کہ انہیں اس کا علم نہیں تھا اور یہ کہ ان کے احکامات کی بنیاد صرف اور صرف تحصیلدار اور حلقہ پٹواری کی رپورٹس تھیں۔انہوں نے ٹیم کو اُن رپورٹس کی ایک نقل فراہم کی۔اُن کا یہ بھی کہنا تھا کہ ذرائع ابلاغ وفاقی وزیر طارق بشیر چیمہ کا نام لیتے رہے ہیں، مگر اُن کا اس معاملے سے کوئی سروکار نہیں اور اس معاملے کے کے حوالے سے اُن کا نام لیا جانا افسوسناک عمل ہے۔

ٹیم نے وفاقی وزیر، طارق بشیر چیمہ کے ساتھ ملاقات کرنے کی کوشش کی مگر اسے بتایا گیا کہ وہ اسلام آباد کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔محمد بوٹا سے بذریعہ فون رابطہ کیا گیا مگر انہوں نے ٹیم سے ملنے سے انکار کیا۔

تحقیقاتی مشن کے تین دن بعد، متاثرہ لوگوں نے سینئر سول جج کے 25 مئی 2019 کو جاری کردہ حکم امتناع کی خلاف ورزی پر اسسٹنٹ کمشنر کے خلاف توہین عدالت کی کاروائی کی درخواست دائر کی۔عدالت نے اسسٹنٹ کمشنر کو نوٹس بھیجا اور سماعت کی اگلی تاریخ 22 جون 2020 ہے۔متاثرہ لوگوں نے ایچ آر سی پی کی ٹیم کو یہ بھی بتایا کہ اسسٹنٹ کمشنر نے بعدازاں مسماری والے مقام کا دورہ کیا تھا، پٹواری سے واقعے کی تفصیلات طلب کی تھیں اور انہیں (ہندو برادری) بتایا کہ وہ اپنے منصوبے کے مطابق آگے بڑھیں اور گھروں کو ازسرنو تعمیر کر لیں۔تاہم انہوں نے اس مقصد کے لیے کسی قسم کے معاوضے یا امداد کا ذکر نہیں کیا تھا۔

مشاہدات

1 علاقے کے اشٹام فروش اور نکاح رجسٹرار محمد بوٹا نے ہندو برادری سے غیر قانونی طور پر پانچ ایکڑ زمین طلب کی۔ برادری کے انکار پر، انہوں نے اسسٹنٹ کمشنر یزمان کو ایک گمراہ کن رپورٹ پیش کی، جنہوں نے دستاویزات کی جانچ پڑتال کیے بغیر، ہندو برادری کے گھروں کی مسماری کا حکم صادر کر دیا۔ایسا صرف اچھے خاصے سیاسی دباؤ کے نتیجے میں ہی ہوسکتا ہے۔

2 تحصیلدار اور حلقہ پٹواری نے حقیقی حالات سے آگاہ ہونے کے باوجود اُن گھروں کی قانونی تعمیر کے حوالے سے جان بوجھ کر حقائق مسخ کیے اور گھروں کی مسماری کی سفارش کی۔یہ بھی سیاسی دباؤ کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔

3 ایچ آر سی پی نے متاثرہ باشندوں کے پاس دستیاب دستاویزات کا معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ 7 دسمبر 2018 کے ڈپٹی سیکریٹری کالونیز، ریونیو بورڈ کے نوٹیفکیشن سے ظاہر ہوا کہ کالونی کی تعمیر کی تجویز حقیقت میں پیش کی گئی تھی۔اسسٹنٹ کمشنر یزمان کو گھروں کی مسماری کا حکم دینے کی بجائے نوٹیفکیشن کا احترام کرنا چاہیے تھا۔

4 محمد بوٹا کا ہندو برادری کے خلاف یہ الزام کہ وہ اپنی اراضی سے متصل مسلم قبرستان میں شراب فروخت کرتی ہے، جس کا تحصیلدار اور حلقہ پٹواری نے دیدہ دانستہ اپنی رپورٹ میں بھی ذکر کیا ہے، حقائق کے منافی ہے۔ چک 59 / ڈی بی میں اس اراض سے متصل کوئی قبرستان موجود نہیں۔

سفارشات

1 صوبائی حکومت مسمار شدہ اور ٹوٹے ہوئے گھروں کی فی الفور تعمیر نو کا نوٹس جاری کرے۔

2 صوبائی حکومت متاثرہ افراد کو اُن کے نقصانات کا معاوضہ دے۔

3 غیر متعصب تحقیقات کا بندوبست کیا جائے اور واقعے میں ملوث سرکاری اہلکاروں کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے۔

4 ریاست کو ایسا ہر اقدام کی روک تھام یقینی بنانا ہوگی جو مذہبی اقلیتوں میں خوف پھیلانے اور انہیں مسائل سے دوچار کرنے کا سبب ہے۔

5 ریاست کو مذہبی اقلیتوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانا ہوگا۔

☆☆☆

دنیا بھر کی استبدادی ریاستیں رابطوں کے سراغ کے نام پر اپنے شہریوں کی کڑی نگرانی میں مزید اضافہ کر رہی ہیں

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے سیکرٹری جنرل حارث خلیق کا دی نیوز آن سنڈے کو دیا گیا انٹرویو

وجیہا حیدر

خصوصی رپورٹ

21 جون 2020

حارث خلیق موجودہ کورونا وباء کے دوران ملک میں حقوق اور خلوت کی صورتحال، ریاست کی جانب سے شہریوں کی کڑی نگرانی سے متعلق اپنے خدشات، اور ان طریقوں کے بارے میں بات کرتے ہیں جن کے ذریعے حکومت صورتحال سے بہتر طور پر نبٹ سکتی تھی۔

دی نیوز آن سنڈے: اس وباء نے عوام کی صحت کے شدید خطرات سے دوچار کر دیا ہے، خاص طور پر ملک میں کیسز کی تعداد میں حالیہ اضافے کے تناظر میں۔ اگرچہ یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ بہتر کانٹیکٹ ٹریسنگ سے پھیلاؤ کو روکا جا سکتا ہے، تاہم ریاست کی جانب سے شہریوں کی کڑی نگرانی کے حوالے سے کچھ خدشات بھی پائے جاتے ہیں۔ آپ اس صورتحال کو کیسے دیکھتے ہیں؟

حارث خلیق: دنیا بھر کی استبدادی ریاستیں اور عوامیت پسند حکومتیں شہریوں کا سراغ لگانے کے لیے، تیکنیکی اور دیگر لحاظ سے، شہریوں کی کڑی نگرانی کا دائرہ وسیع کر رہی ہیں۔ اس بات کا امکان موجود ہے کہ وہ وبائی امراض اور صحت سے متعلق ایسے دیگر ہنگامی حالات کو نجی زندگیوں میں اپنی مداخلت کو بڑھانے کے لیے استعمال کریں گے۔ اس سے وہ جب چاہیں تنقیدی رائے اور آزادانہ آوازوں کو دبانے کی اپنی استعداد میں اضافہ کر سکیں گے۔ اس سے بڑھ کر، بڑے کاروبار اور کارپوریٹ مارکیٹنگ، جن کے دائیں بازو کی عوامیت پسند حکومتوں سے قریبی تعلقات ہیں، نجی معلومات تک رسائی حاصل کر لیں گے اور اسا پنی ذاتی جارحانہ مارکیٹنگ کے لیے استعمال کریں گے۔ عجیب بات یہ ہے کہ پاکستانی ریاست خفیہ معلومات کے حصول کے ذریعے کانٹیکٹ ٹریسنگ پر سرمایہ لگانے پر آمادہ ہے، جبکہ اس کا دعویٰ ہے کہ یہ کووڈ 19 کے پھیلاؤ کا پتا لگانے کے لیے مناسب ٹیسٹنگ پر رقم خرچ کرنے سے قاصر ہے۔

دی نیوز آن سنڈے: موجودہ وباء کے دوران ملک میں انسانی حقوق کی صورتحال سے متعلق آپ کے بنیادی خدشات کیا ہیں؟ آپ کن برادریوں کو زیادہ غیر محفوظ سمجھتے ہیں؟

حارث خلیق: ریاست نے شہریوں کے معاشی اور سماجی حقوق کو بری طرح پامال کیا ہے۔ محنت کش بحیثیت مجموعی معاشرے کا غیر محفوظ ترین طبقہ ہے۔ پاکستان کی معیشت وباء کے آنے سے پہلے ہی پست ترین سطح پر پہنچ چکی تھی اور اس کے محنت کش طبقے اور کم آمدن والے افراد پر بدترین اثرات ہوئے تھے۔ یہ وباء ان پہلوؤں کو سامنے لے آئی ہے جو پہلے واضح طور پر دکھائی نہیں دیتے تھے۔ جیسے کہ بڑھتا ہوا معاشی بحران، بڑھتا ہوا سماجی انتشار، اور بڑھتا ہوا سیاسی تناؤ۔ محنت کشوں کے علاوہ، خواتین، بچے، خواجہ سرا، معذوری کا شکار افراد، اور مذہبی اقلیتیں بھی متاثرین میں شامل ہیں۔ گھریلو تشدد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ طبی ماہرین بھی حفاظتی سامان کی کمی کے باعث انتہائی غیر محفوظ ہیں۔

دی نیوز آن سنڈے: آپ کے خیال میں حکومت وباء کی روک تھام سے متعلق حکمت عملیوں اور ڈیٹا کی تشہیر کے لحاظ سے کتنی شفاف ہے؟

حارث خلیق: اس سے پہلے کہ ہم شفافیت کی بات کریں، سب سے اہم مسئلہ وزیر اعظم اور ان کے ساتھیوں کی جانب سے شروع دن سے پیدا کیا گیا ابہام ہے جو آج بھی موجود ہے۔ اس کے نتیجے میں، ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت نے اس بحران سے نمٹنے کے لیے ایک معقول، مربوط اور طویل المدت انسدادی منصوبے نیز دستیاب وسائل کے سائنسی جائزے کی بجائے تعاملی حکمت عملی اپنا رکھی ہے۔

کووڈ 19 کے ابتدائی چند ہفتوں کے دوران ڈیٹا زیادہ شفاف طور پر فراہم کیا گیا تھا۔ مثال کے طور پر، قومی ادارہ صحت (این آئی ایچ) اور پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف ڈویلپمنٹ اکنامکس (پی آئی ڈی ای) نے معاشی نقصانات کے علاوہ صورتحال سے متعلق رپورٹس اور تخمینے پیش کیے۔ قدرتی آفات پر قابو پانے کے قومی ادارے (این ڈی ایم اے) کی کارکردگی بھی اچھی رہی۔ تاہم، نیشنل کمانڈ اینڈ آپریشنز سنٹر (این سی او سی) اور حکومتی اقدامات کی نگرانی کرنے والی مختلف ٹیموں کے قیام کے بعد سے صرف تشہیر کے لیے منظور کی گئی معلومات فراہم کی جا رہی ہیں۔ اسی طرح، وباء کے اصل پھیلاؤ کا پتا لگانے کے لیے خاطر خواہ ٹیسٹنگ نہیں ہو رہی۔ زیادہ تر لوگ سمجھتے ہیں کہ کیسز کی تعداد سرکاری اعداد و شمار سے کہیں زیادہ ہے۔ کراچی کی میونسپل باڈی جو قبرستانوں کی دیکھ بھال کرتی ہے، کی ایک حالیہ رپورٹ اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ اس سال مئی میں شہر میں دفنائے گئے افراد کی تعداد مئی 2019 سے دوگنا زیادہ ہے۔

دی نیوز آن سنڈے: آپ کے خیال میں سیاسی حزب اختلاف اور متعلقہ ماہرین کے ساتھ مشاورت کے حوالے سے حکومت کا کردار کتنا شمولیتی ہے؟

حارث خلیق: حکومت مشرف حکومت کے نقش قدم پر چلتی دکھائی دیتی ہے: ایک نیم جمہوری، مخلوط سول جمہوری نظم و نسق کے تحت کام کرنے والے غیر منتخب ٹیکنو کریٹس اور سیاسی منتظمین۔ پارلیمانی کارروائیوں کا احترام نہیں کیا جاتا اور قانون سازی اور نگرانی کے پارلیمانی کردار کو کمزور کیا جاتا ہے۔ اسی لیے، حزب اختلاف کے ساتھ مشاورت کو بہت کم اہمیت دی جاتی ہے۔ درحقیقت، ہم نے اس بحران پر قابو پانے کے حوالے سے وفاقی اور سندھ حکومت کے درمیان پریشان کن تناؤ دیکھا۔ جہاں تک حکمت عملیوں کی تشکیل میں ماہرین کو شامل کرنے کا تعلق ہے تو حکومت پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن (پی ایم اے) کی بجائے کاروباری انجمنوں کے ساتھ باقاعدگی سے مشاورت کرتی رہی ہے۔ بحران کے عین وسط میں کاروبار کھولنے کا بنیادی مقصد کاروباری سرگرمیوں میں اضافہ کرنا تھا، جبکہ عین اسی وقت ملازمین کو محروم اور بے روزگار رکھا جا رہا ہے۔ ملک کے غریب گھرانوں کو بی آئی ایس پی/ احساس پروگرام کے تحت رقوم کی فراہمی ایک وسط مدتی حل بھی فراہم نہیں کرتی۔ غریب پاکستان میں انفرادی خیرات کی روایت کی بدولت ہی اپنا وجود قائم رکھ پائے۔ لیکن یہ اہلیت اب اپنی حدوں کو چھو رہی ہے کیونکہ گرتی ہوئی معیشت بالآخر متوسط طبقے کو بھی متاثر کرے گی۔ ریاست کو چاہئے کہ وہ سب کے لیے کام کے معقول حالات پیدا کرے، ورنہ پاکستانی معاشرہ، معیشت اور ریاست زوال کا شکار ہو جائے گی۔

دی نیوز آن سنڈے: آپ کووڈ 19 کے حوالے سے حکومت کی مجموعی کارکردگی کو کیسے دیکھتے ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ صورتحال سے بہتر طور پر نمٹا جا سکتا تھا؟ اگر ہاں، تو کیسے؟

حارث خلیق: جب کیسز سامنے آنا شروع ہوئے تھے تو ہمیں ملک بھر میں ایک ماہ یا چھ ہفتوں کا سخت لاک ڈاؤن کرنا چاہئے تھا۔ اشیاء خورد و نوش یا نقد یا دونوں مستحق خاندانوں کو فراہم کیے جا سکتے تھے۔ اس سے نہ صرف وائرس کا تیزی سے پھیلاؤ رک جاتا بلکہ ہمیں اس وقت کی تیاری کا بھی موقع مل جاتا جب لاک ڈاؤن اٹھا لیا جاتا۔ مقامی حکومتوں کو بحال اور متحرک کیا جانا چاہئے تھا۔ مقامی حکومتوں کے بغیر، نچلی سطح پر کسی بھی منصوبے کی مؤثر انجام دہی ناممکن ہے۔ حکومت کو طبی ماہرین اور متعلقہ بین الاقوامی اداروں کی بات کو غور سے سننا چاہئے تھا۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے تمام حلقوں اور نمائندوں کی طرف سے ایک واضح پیغام آنا چاہئے تھا۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ دی نیوز آن سنڈے)

عالمی وبا ایک گزرگاہ ہے.....ارون دھتی رائے

ارون دھتی رائے کا یہ مضمون 3 اپریل 2020 کو فنانشل ٹائمز میں شائع ہوا تھا، جسے لالٹین کے لیے اسد فاطمی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

آج کل کون ہوگا جو'وائرل ہونے' کی اصطلاح کو سن کر کانپ نہ اٹھے؟ کون ہوگا جو کسی بھی چیز پر — دروازے کی کنڈی ہو، گتے کا ڈبہ ہو، سبزیوں کا تھیلا ہو — نظر ڈالتے ہوئے، اس خیال کو ذہن میں نہ رکھتا ہو کہ اس پر وہ ان دیکھی، غیر مردہ، غیر زندہ پھُٹکیاں ان چوسنے والی تھوتھنیوں کے ساتھ آپ کے پھیپھڑوں سے چمٹ جانے کو تیار بیٹھی ہیں۔

کون ہوگا جو حقیقی خوف کے احساس کے بغیر بس پر کود کر چڑھتے ہوئے اجنبی یا اسکول جاتے ہوئے اپنے بچوں کو چومنے کا سوچ سکے؟ کون ہے جو چھوٹی چھوٹی عیاشیوں کا سوچتے ہوئے اس کے خطرات کا حساب نہ لگاتا ہو؟ ہم میں سے کون ہے جو ایک عطائی ماہر وبا، وائرولوجسٹ، ماہر شماریات یا پیغمبر نہ بنا پھرتا ہو؟ کون سا سائنسدان یا ڈاکٹر ہے جو چھپ چھپ کے کسی معجزے کی دعائیں نہ کر رہا ہو؟ کون سا پیر پروہت ہے جو — دل ہی دل میں سہی — سائنس کے آگے سر نہ جھکائے ہوئے ہو؟

اور جب کہ وائرس پھل پھول رہا ہے، کون ہے جو شہروں کے اندر چہچہاتے پرندوں کی خوش الحانی اور ٹریفک کی کراسنگ پر ناچتے موروں اور آسمان کی خاموشی پر دنگ نہ رہ گیا ہو؟

اس ہفتہ دنیا بھر میں کیسز کی تعداد دس لاکھ سے اوپر نکل گئی۔ 50,000 سے زیادہ لوگ ہیں جو اب تک جان گنوا چکے ہیں۔ تخمینے بتاتے ہیں کہ یہ تعداد لاکھوں تک جا سکتی ہے، یا شاید اس سے بھی زیادہ۔ وائرس نے تجارت اور بین الاقوامی سرمائے کے راستوں پر کھل کے سفر کیا ہے، اور جو بھیانک بیماری یہ لایا ہے اس نے انسانوں کو اپنے ملکوں، شہروں اور اپنے گھروں میں قید سا کر دیا ہے۔

لیکن سرمائے کے بہاؤ کے برعکس، یہ وائرس نشو ونما مانگتا ہے، منافع نہیں، اور اسے ملی بھی، اس لیے، ان جانے میں، کچھ حد تک اس نے بہاؤ کی سمت کو الٹے رخ پھیر دیا ہے۔ یہ امیگریشن ضوابط، بایومیٹرکس، ڈیجیٹل نگرانی اور ہر طرح کی ڈیٹا تحلیلوں پر خندہ زن ہے اور — اب تک — اس نے دنیا کی امیر ترین اور طاقتور ترین اقوام پر سب سے زوردار وار کیا ہے، جس سے سرمایہ داری نظام کا پورا انجن ایک دھچکے سے رک گیا ہے۔ شاید عارضی طور پر، لیکن کم از کم اتنے وقت کے لیے کہ ہم اس کے پرزوں کا جائزہ لے سکیں، اور اپنی جانچ کر کے یہ فیصلہ کر سکیں کہ آیا ہم اسے ٹھیک کرنے کے قابل ہیں، یا ہمیں کوئی بہتر انجن ڈھونڈنا ہوگا۔

منڈارین چینی جو اس عالمی وبا سے نمٹ رہے ہیں بڑے شوق سے جنگ کی باتیں کرتے ہیں۔ وہ ایک استعارے کے طور پر جنگ کا نام نہیں لیتے بلکہ ان کا مطلب سچ میں یہی ہے۔ لیکن اگر حقیقت میں جنگ ہی ہوتی، تو کون ہوتا جو امریکہ سے بڑھ کر اس کے لیے تیار ہوتا؟ اگر ہراول دستے کو ماسکوں اور دستانوں کی بجائے، بندوقیں، سمارٹ بم، خندق شکن، آبدوزیں، لڑاکا طیارے اور جوہری بم درکار ہوتے، تو کیا کوئی قلت پڑتی؟

کون ہوگا جو حقیقی خوف کے احساس کے بغیر بس پر کود کر چڑھتے ہوئے اجنبی یا اسکول جاتے ہوئے اپنے بچوں کو چومنے کا سوچ سکے؟ کون ہے جو چھوٹی چھوٹی عیاشیوں کا سوچتے ہوئے اس کے خطرات کا حساب نہ لگاتا ہو؟ ہم میں سے کون ہے جو ایک عطائی ماہر وبا، وائرولوجسٹ، ماہر شماریات یا پیغمبر نہ بنا پھرتا ہو؟ کون سا سائنسدان یا ڈاکٹر ہے جو چھپ چھپ کے کسی معجزے کی دعائیں نہ کر رہا ہو؟ کون سا پیر پروہت ہے جو — دل ہی دل میں سہی — سائنس کے آگے سر نہ جھکائے ہوئے ہو؟

رات کے بعد رات گزرتی ہے، آدھی دنیا پار، ہم میں سے کچھ، ایک ناقابل بیان اشتیاق کے ساتھ نیویارک کے گورنر کی صحافتی بریفنگز سنتے ہیں۔ ہم شماریات پر نظر رکھتے ہیں، اور امریکہ میں کھچا کھچ بھرے ہسپتالوں میں معمولی اجرت پر غیر معمولی محنت کے ساتھ پلاسٹک کے تھیلوں اور پرانی برساتیوں سے ماسک بنا کے مریض تک مدد پہنچانے والی نرسوں کی کہانیاں سنتے ہیں۔ ان ریاستوں کے بارے سنتے ہیں جو وینٹی لیٹروں کے لیے ایک دوسرے کے مقابلے میں بولیاں لگاتے پھرتے ہیں، اور ڈاکٹر کے مخمصے کے بارے میں کہ کس مریض کو یہ ملنا چاہیے اور کسے مرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ اور ہم اپنے آپ میں سوچتے ہیں، "خدایا! یہ امریکہ ہے!"

یہ اچانک، حقیقی، عظیم الشان اور ہمارے آنکھوں دیکھتے اپنی تہوں کو کھولتا ہوا المیہ ہے۔ لیکن یہ کچھ نیا نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی ریل کا ملبہ ہے جو سالوں سے پٹڑی کے پاس ایک کروٹ پڑا تھا۔ "مریضوں کو نکال پھینکنے" کی ویڈیوز کسے یاد نہیں ہوں گی — بیمار لوگ، جنہوں نے ابھی اپنے اسپتال کے گاؤن پہنے ہوئے تھے، ننگے پچھواڑوں کے ساتھ، جنہیں توہّمات کی بنا پر گلی کی نکڑ پر نکال پھینکا گیا؟ حالات کے مارے امریکی شہریوں پر ہسپتال کے دروازے زیادہ تر بند ہی رہے۔ اس سے کچھ غرض نہیں کہ وہ کس قدر بیمار ہیں یا کتنی تکلیف اٹھا چکے ہیں۔

کم از کم اب تک تو نہیں — کیونکہ اب، وائرس کے زمانے میں، ایک غریب آدمی کی بیماری ایک مالدار معاشرے کی صحت پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ اور پھر بھی، برنی سانڈرس کو، جس نے سب کے حفظان صحت کے لیے ایک بے دھڑک مہم چلائی، وائٹ ہاؤس میں حسب امید جگہ پانے سے کوسوں دور سمجھا جا رہا ہے، خود اس کی اپنی پارٹی میں بھی۔

اور میرے دیس کی تو کیا ہی بات ہے، میرا غریب-امیر ملک، بھارت، جو نہایت دائیں بازو کے ہندو قوم پرستوں کی حکمرانی میں، جاگیرداری اور مذہبی بنیاد پرستی، ذات پات اور سرمایہ داری نظام کے درمیان لٹکا ہوا ہے؟

دسمبر میں، جبکہ چین، ووہان میں وائرس کے پھوٹ پڑنے سے نبرد آزما تھا، بھارت سرکار ابھی ابھی پارلیمان میں منظور ہونے والے مسلم مخالف بے شرمانہ امتیازی شہریتی قانون کے خلاف احتجاج کرنے والے لاکھوں شہریوں کے ابھار سے نمٹنے میں مصروف تھی۔

بھارت میں کووڈ-19 کا پہلا کیس 30 جنوری کو درج ہوا، جبکہ کچھ ہی دن پہلے ہماری یوم جمہوریہ پریڈ کے محترم مہمان خصوصی، امازون جنگل کو ہڑپ کرنے والے کووڈ کے منکر جائر بولسونارو دہلی سے روانہ ہوئے تھے۔ لیکن حکمران جماعت کے نظام الاوقات میں وائرس کو سمیٹنے کے لیے فروری کے اندر بہت سا کام ابھی کرنے کو پڑا تھا۔ مہینے کے آخری ہفتے کے لیے صدر ڈونلڈ ٹرمپ کا سرکاری دورہ شیڈول میں تھا۔ انہیں ریاست گجرات میں ایک کھیلوں کے اسٹیڈیم میں دس لاکھ حاضرین کے وعدے سے للچایا گیا تھا۔ اس سب کچھ میں پیسہ خرچ ہوا تھا، اور کافی سارا وقت بھی۔

پھر دہلی اسمبلی کے انتخابات آ گئے جس میں بھارتیہ جنتا

پارٹی کا ہارنا لکھا ہوا تھا تاوقتیکہ انہوں نے اپنی بازی کو اٹھاوا دیا، جس سے کچھ بات بنی، ایک گھناؤنی، بے مہار ہندو قوم پرست مہم چلائی گئی، جو کہ جسمانی تشدد اور "غداروں" کو گولی مارنے کی دھمکیوں سے معمور تھی۔

وہ بہرحال ہار گئے۔ پھر اس کے بعد دہلی کے مسلمانوں کو اس کی سزا بھگتنا تھی، جنہیں اس ہتک کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا۔ پولیس کی سرپرستی میں، ہندو فوجداروں کے مسلح جتھوں نے شمال-مشرقی دہلی کے مزدور طبقہ نواحات پر ہلہ بول دیا۔ گھر، دکانیں، مساجد اور اسکول جلائے گئے۔ حملے کے لیے تیار بیٹھے مسلمانوں نے جوابی وار کیا۔ مسلمانوں اور کچھ ہندوؤں سمیت 50 سے زائد لوگ مارے گئے۔

ہزاروں لوگ ایک مقامی قبرستان میں پناہ گزین کیمپ میں منتقل ہو گئے۔ کٹی پھٹی لاشیں ابھی گندی، متعفن نالیوں میں پڑی تھیں جب سرکاری حکام نے کووڈ-19 کے بارے پہلا اجلاس منعقد کیا اور بیشتر بھارتیوں نے پہلی بار ہاتھوں کے سینی ٹائزر نامی چیز کے وجود کے بارے میں سننا شروع کیا۔

مارچ کا مہینہ بھی مصروف رہا۔ پہلے دو ہفتے وسطی ریاست مدھیہ پردیش میں کانگریس حکومت کو ہٹا کر بی جے پی حکومت کو لانے کے لیے وقف کیے گئے۔ 11 مارچ کو عالمی ادارہ صحت نے کووڈ-19 کو ایک عالمی وبا قرار دے دیا۔ دو دن بعد، 13 مارچ کو، وزارت صحت نے فرمایا کہ کورونا "صحت کی ایک ہنگامی صورتحال نہیں ہے"۔

بالآخر، 19 مارچ کو، بھارتی وزیر اعظم نے قوم سے خطاب کیا۔ وہ گھر سے کچھ خاص کام کر کے نہیں آئے تھے۔ انہوں نے فرانس اور اٹلی سے لائحہ عمل مستعار لیا۔ انہوں نے ہمیں "سماجی فاصلے" کی ضرورت کے بارے میں بتایا (جو ایسے معاشرے کے لیے سمجھنا مشکل نہیں تھا جو ذات پات میں اس قدر گندھا ہوا ہے) اور 22 مارچ کو "عوامی کرفیو" کے دن کا اعلان کیا۔ انہوں نے اس بابت تو کچھ نہیں بتایا کہ اس بحران میں ان کی حکومت کیا کرے گی، البتہ لوگوں سے تاکید کی کے اپنی بالکونیوں میں آ کر صحت کارکنوں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے گھنٹیاں بجائیں اور اپنے برتن اور تھالیاں پیٹیں۔

انہوں نے اس بات کا تذکرہ نہیں کیا کہ، بھارت عین اس لمحے تک، حفاظتی ساز و سامان اور سانس لینے کے آلات بھارتی صحت کارکنوں اور ہسپتالوں میں لانے کی بجائے باہر برآمد کر رہا تھا۔

کچھ اچھنبا نہیں کہ نریندر مودی کی اپیل کو بڑے جوش و خروش سے سنا گیا۔ برتن بجانے کے مارچ ہوئے، گروہی رقص اور جلوسوں کا اہتمام ہوا۔ سماجی فاصلے تو خیر کیا ہوتے۔

آگے آنے والے دنوں میں، لوگ مقدس گائے کے گوبر کے کنستروں میں کود پڑے، اور بی جے پی کے حامیوں نے گاؤ متر نوشی کی پارٹیوں کا انعقاد کیا۔ مسلمان بھی پیچھے نہیں رہے، کئی مسلم تنظیموں نے اعلان کیا کہ اوپر والا وائرس کو دور رکھے گا اور مومنوں کو بڑی تعداد میں مساجد میں اکٹھا ہونے کی تاکید کی۔

مارچ کا مہینہ بھی مصروف رہا۔ پہلے دو ہفتے وسطی ریاست مدھیہ پردیش میں کانگریس حکومت کو ہٹا کر بی جے پی حکومت کو لانے کے لیے وقف کیے گئے۔ 11 مارچ کو عالمی ادارہ صحت نے کووڈ-19 کو ایک عالمی وبا قرار دے دیا۔ دو دن بعد، 13 مارچ کو، وزارت صحت نے فرمایا کہ کورونا "صحت کی ایک ہنگامی صورتحال نہیں ہے"۔

24 مارچ کو شام آٹھ بجے، مودی جی دوبارہ ٹی وی پر نمودار ہوئے اور اعلان کیا کہ، آدھی رات کے بعد سے، پورے بھارت میں لاک ڈاؤن ہوگا۔ بازار بند رہیں گے۔ تمام ذرائع آمدورفت پر، عوامی ہوں یا نجی، مکمل پابندی ہوگی۔

انہوں نے کہا کہ وہ یہ فیصلہ صرف ایک وزیر اعظم کی حیثیت میں ہی نہیں، بلکہ ہمارے خاندان کے بڑے میاں کے طور پر کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ اور کون ہوگا جو اس فیصلے کا نتیجہ بھگتنے والی ریاستی حکومتوں سے مشورہ کیے بغیر یہ فیصلہ کر سکے کہ ایک ارب اڑتیس کروڑ کی قوم تیاری کے صفر وقت کے ساتھ چار گھنٹے کے نوٹس پر لاک ڈاؤن میں ڈال دی جائے؟ ان کا طریق کار یقیناً یہ تاثر دیتا ہے کہ بھارت کا وزیر اعظم شہریوں کو ایسی مخالف قوت سمجھتا ہے جس سے گھات لگانی ضروری ہے، جسے چونکایا تو جائے، لیکن کبھی اس پر بھروسا نہ کیا جائے۔ ہم لاک ڈاؤن پر ڈال دیے گئے۔ کئی طبی پیشہ ور اور ماہرین وبائی امراض نے اس اقدام پر داد دی ہے۔ شاید تصوراتی اعتبار سے وہ حق بجانب ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی منصوبہ بندی اور تیاری کے تباہ کن فقدان کی حمایت نہیں کرے گا جس نے دنیا کے سب سے بڑے، سب سے زیادہ سزا نما لاک ڈاؤن کو اس کے عین الٹ بنا کے رکھ دیا جو اس کی اصل اغراض ہونی چاہئیں تھیں۔

تماشوں کے شوقین شخص نے سب تماشوں کی ماں کو پیدا کر دکھایا۔ جب کہ ایک سہمی ہوئی دنیا محوِ تماشا تھی، بھارت نے اپنی تمامتر شرمناکی — اپنی سفاکانہ، ساختی، سماجی اور اقتصادی نابرابری، مصیبت زدگی کے لیے اپنی سنگدلانہ بے حسی — کے ساتھ خود سے پردہ اٹھایا۔

لاک ڈاؤن نے ایک ایسے کیمیاوی تجربے کا سا کام کیا جس سے اچانک چھپی ہوئی چیزیں چمک اٹھتی ہیں۔ جوں جوں دکانیں، ریستوران، کارخانے اور تعمیراتی صنعت بند ہوتی گئی، جوں جوں امیر اور متوسط طبقوں نے خود کو دروازہ بند کالونیوں میں محصور کر لیا، ہمارے قصبات اور میگا شہروں نے اپنے مزدور طبقات — اپنے تارک وطن مزدوروں — کو ایک ان چاہے فاضل مواد کی طرح نکال باہر کرنا شروع کر دیا۔

بہت سے مالکوں، مالک مکانوں کے دھتکارے ہوؤں، کروڑوں افلاس کے ماروں، بھوکے، پیاسے لوگوں، بوڑھوں اور جوانوں، مردوں، عورتوں، بچوں، بیمار لوگوں، نابینا لوگوں، معذور لوگوں نے، جن کے پاس کہیں جانے کی کوئی راہ نہیں تھی، کوئی عوامی ٹرانسپورٹ نظر میں نہیں تھی، اپنے آبائی گاؤں کی جانب لانگ مارچ شروع کر دیا۔ وہ کئی دنوں تک بدایوں، آگرہ، اعظم گڑھ، علیگڑھ، لکھنؤ، گورکھپور کی طرف — سیکڑوں کلومیٹر دور تک چلتے رہے۔ کچھ تو راستے میں ہی مر گئے۔

وہ جانتے تھے کہ وہ ممکنہ طور پر فاقہ کشی کی رفتار گھٹانے کے لیے گھر جا رہے تھے۔ وہ شاید جانتے تھے کہ وہ خود بھی وائرس کے حامل ہو سکتے ہیں اور گھر پہنچ کر اپنے خاندانوں، اپنے والدین اور بزرگوں کو اس سے متاثر کر سکتے ہیں، لیکن انہیں اگر دلجوئی نہیں تو، اپنائیت، پناہ اور وقار کے شائبے کے ساتھ ساتھ خوراک کی ضرورت تو تھی۔

جب وہ چلے، تو کچھ کو پولیس کے ہاتھوں تشدد اور بے عزتی کا نشانہ بنایا گیا، جسے کرفیو کے تحت سے نفاذ کا ذمہ سونپا گیا تھا۔ جوانوں کو سڑک پر اوندھے جھکنے اور ڈڈو چال چلنے کا کہا گیا۔ بریلی کے شہر سے باہر، ایک گروہ کو ایک جگہ جمع کر کے ان پر کیمیکل سپرے کی بوچھاڑ ماری گئی۔

کچھ دن بعد، اس فکر کے تحت کہ انخلا کرنے والی آبادی دیہاتوں میں وائرس پھیلا دے گی، حکومت نے ریاستی سرحدوں کو پیدل لوگوں کے لیے بھی سیل کر دیا۔ کئی دنوں سے پیدل چلتے ہوئے لوگوں کو روک دیا گیا اور شہروں میں انہی کیمپوں میں واپس بھیج دیا گیا جہاں سے ابھی انہیں باہر ہانکا گیا تھا۔

بڑی عمر کے لوگوں میں اس سے 1947 کے تبادل آبادی کی یادیں تازہ ہو گئیں، جب ہندوستان کا بٹوارہ ہوا اور پاکستان بنا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اب کے انخلا مذہب کی بجائے طبقاتی تقسیم کی بنیاد پر تھا۔ اس کے باوجود، یہ بھارت کے غریب ترین لوگ نہیں تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے پاس (کم از کم اب تک) شہر میں نوکری تھی اور واپس جانے کے لیے کوئی گھر تھا۔ بے روزگار، بے گھر اور لاچار جہاں تھے، کیا

شہر کیا گاؤں، وہیں پڑے رہے، جہاں اس المیے کے رونما ہونے سے کافی پہلے گہرے اضطراب میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ان تمام اندوہناک دنوں میں، وزیر داخلہ امیت شاہ عوام کی نظروں سے اوجھل رہے۔

جب دہلی میں لوگ پیدل چلنا شروع ہوئے، میں نے دہلی اور اتر پردیش کے درمیان کی سرحد پر واقع غازی پور تک گاڑی لے جانے کے لیے اس رسالے کا پاس استعمال کیا جس کے لیے میں اکثر لکھتی ہوں۔

آگے کا منظر انا جیلی انداز کا تھا۔ یا شاید نہیں۔ ایسی تعداد انجیل بھی کیا جانتی ہوگی۔ سماجی فاصلے کے نفاذ کے لیے لاک ڈاؤن کا نتیجہ بالکل الٹ تھا — ایک ناقابل اندازہ پیمانے پر جسموں کی بھرائی۔ بھارت کے قصبوں اور شہروں کے اندر بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ مرکزی شاہراہیں تو خالی ہوں گی، لیکن غریبوں کو جھونپڑوں اور جھگیوں میں کھچا کھچ بھر کے بند کر دیا گیا ہے۔

پیدل چلتے لوگوں میں میں نے جس سے بھی بات کی سبھی وائرس کے بارے میں فکر مند تھے۔ لیکن یہ ان کی زندگیوں کو گھیرے ہوئے بے روزگاری، فاقہ کشی اور پولیس کے تشدد کی نسبت کم حقیقی، کم حاضر تھا۔ وہ سب لوگ جن سے میں نے اس دن بات کی، بشمول مسلمان درزیوں کے اس گروہ کے جو ابھی کچھ ہفتے پہلے مسلم کش حملوں سے زندہ بچے تھے، ایک شخص نے مجھے خاص طور پر پریشان کیا۔ وہ رام جیت نامی ایک ترکھان تھا، جس کا گورکھپور سے نیپال کی سرحد تک پیدل جانے کا ارادہ تھا۔ "شاید جب مودی جی نے ایسا کرنے کا فیصلہ کیا تھا، انہیں ہمارے بارے کسی نے نہیں بتایا۔ شاید وہ ہمارے بارے میں جانتے ہی نہیں''، اس نے کہا۔

"ہم'' سے مراد اندازاً 46 کروڑ لوگ ہیں۔

بھارت کی ریاستی حکومتوں نے (جیسا کہ امریکہ میں ہوا) اس بحران میں کہیں زیادہ دل اور سمجھ بوجھ دکھائی ہے۔ ٹریڈ یونینیں، شہری اور دوسرے گروہ خوراک اور ہنگامی راشن تقسیم کر رہے ہیں۔ مرکزی حکومت مالی امداد کی پرزور اپیلوں کی شنوائی میں سست ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وزیر اعظم کے قومی ریلیف فنڈ میں پہلے سے کوئی نقد رقم دستیاب نہیں ہے۔ اس کی بجائے، کچھ پراسرار سے نئے CARES-PM فنڈ میں خیرخواہوں کی طرف سے رقم انڈیلی جانے لگی ہے۔ پہلے سے ملفوفہ کھانے مودی کی تصویر کے ساتھ اب نظر آنے لگے ہیں۔

اور تو اور، وزیر اعظم نے اپنی یوگا نِدرا ویڈیوز کی سانجھ کی ہے، جس میں الگ تھلگ ہونے کی تکان سے نمٹنے کے لیے ایک جعلی، اینی میٹڈ مودی ایک خوابوں کے بدن کے ساتھ یوگا آسنوں کا مظاہرہ کرتا ہے۔

یہ نرگسیت کافی پریشان کن ہے۔ شاید ان میں سے ایک آسن، ایک عرضگزاری آسن بھی ہو جس میں مودی جی فرانسیسی وزیر اعظم سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں رافیل لڑاکا طیاروں کی اس پریشان کن ڈیل سے مکرنے کی اجازت دی جائے اور وہ 7 کروڑ 80 لاکھ یورو ان چند کروڑ بھوکے لوگوں کی امداد کے لیے اشد طور پر درکار ہنگامی اقدامات کے لیے استعمال کر لیے جائیں۔ یقیناً فرانسیسی اس بات کو سمجھ پائیں گے۔

لاک ڈاؤن کے دوسرے ہفتے میں داخل ہوتے ہی، رسد کی زنجیریں ٹوٹنے لگی ہیں، ادویات اور ضروری سامان کمیاب ہو رہا ہے۔

ہزاروں ٹرک ڈرائیور ہائی ویز پر، بہت تھوڑی خوراک اور پانی کے ساتھ مارے مارے پھر رہے ہیں۔ کٹائی کے لیے تیار، کھڑی فصلوں کو آہستہ آہستہ گھن کھا رہا ہے۔ اقتصادی بحران سر چڑھ چکا ہے۔ سیاسی بحران جاری ہے۔ سَر دھاری میڈیا نے کووڈ کہانی کو اپنی 24 / 7 زہریلی مسلم مخالف مہم میں رکھ لیا ہے۔ تبلیغی جماعت نامی ایک تنظیم، جس نے لاک ڈاؤن سے پہلے دہلی میں ایک اجتماع منعقد کیا تھا، اس کی "مہا پھیلاؤ کار'' بن کر سامنے آئی ہے۔ یہ مسلمانوں پر کلنک ملنے اور عفریت بنانے کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔ مجموعی طور پر لہجہ ایسا رکھا جا رہا ہے کہ وائرس مسلمانوں نے ایجاد کیا ہے اور وہ جہاد کی ایک شکل کے طور پر جان بوجھ کر اس کو پھیلا رہے ہیں۔ کووڈ بحران ابھی اور آئے گا، یا نہیں۔ ہم نہیں جانتے۔ اگر، اور جب ایسا ہوتا ہے، ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اس سے نمٹا جائے گا، مذہب، ذات اور طبقہ کے تمام تر روز افزوں تعصب کے ساتھ جو پوری طرح اپنی جگہ قائم ہے۔

آج (2 اپریل کو) بھارت میں تقریباً 2000 مصدقہ کیسز ہیں اور 58 اموات ہو چکی ہیں۔ یہ یقیناً غیر معتبر اعداد و شمار ہیں، جو افسوس ہے کہ بہت تھوڑے ٹیسٹوں پر مبنی ہیں۔ ماہرین کے مؤقف بے تحاشا مختلف ہیں۔ کچھ پیش بینیاں ہیں کہ ملین کے حساب سے کیس ہوں گے۔ دیگر کچھ سمجھتے ہیں کہ نقصان کہیں کم ہوگا۔ ہم اس بحران کے حقیقی محیط کو شاید کبھی نہ جان پائیں، یہاں تک کہ یہ ہمیں آ لے۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ عارضی ہسپتال ابھی شروع ہی نہیں ہوئے۔

بھارت کے عوامی ہسپتال اور کلینک — جو ہر سال اسہال، غذائیت کی کمی اور دیگر صحت کے مسائل سے مرنے والے تقریباً دس لاکھ بچوں، لاکھوں ٹی بی کے مریضوں (دنیا بھر کی چوتھائی) سے نمٹنے کے قابل بھی نہیں ہیں، خون کی کمی اور غذائیت کے مسائل کا شکار آبادی جو کہ ایسی کئی معمولی امراض کی زد پر ہیں جو ان کے لیے مہلک ثابت ہو سکتی ہیں۔ ایسے بحران سے نہیں نمٹ پائے گی جس سے امریکہ اور یورپ اس وقت نبرد آزما ہیں۔

تمام حفظان صحت کم و بیش ایک ٹھہراؤ پر جا چکا ہے کیونکہ ہسپتال وائرس سے متعلق خدمات سے پر لگ گئے ہیں۔ دہلی میں لیجنڈری آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ برائے میڈیکل سائنسز بند ہو گیا ہے، سیکڑوں کینسر کے مریض، جنہیں کینسر مہاجرین بھی کہا جاتا ہے جو ہسپتال کے باہر سڑکوں پر رہتے ہیں، انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح دور ہانک دیا گیا ہے۔

لوگ گھروں پر بیمار پڑیں گے اور مر جائیں گے۔ کوئی ان کی کہانی نہیں جانے گا۔ ہو سکتا ہے وہ شماریات میں بھی نہ آئیں۔ ہم اس بات کی صرف امید ہی کر سکتے ہیں کہ وہ تحقیقات درست ہوں کہ وائرس کو ٹھنڈا موسم راس ہے (جبکہ دوسرے محققین کو اس پر شبہات ہیں)۔ لوگوں نے ایک جھلسا دینے والے، کربناک ہندوستانی موسم گرما کی ایسی غیر عقلی خواہش اس سے پہلے کبھی نہیں کی۔

ہم سب کو کیا ہو گیا ہے؟ جی ہاں، یہ ایک وائرس ہے۔ خود اپنی ایک سرزمین میں یہ کوئی اخلاقی عقیدہ نہیں رکھتا۔ لیکن یہ یقینی طور پر ایک وائرس سے کچھ بڑھ کر ہے۔ کچھ کا ماننا ہے کہ یہ ہمیں ہوش میں لانے کی کبریائی ادا ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ دنیا پر قبضہ کرنے کی چینی سازش ہے۔

یہ جو کچھ بھی ہے، کرونا وائرس نے دنیا کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے اور ایسے ساکت کیا ہے جیسے اور کوئی چیز نہ کر سکی تھی۔ ہمارے دماغ ابھی تک چکر میں ہیں، اور "معمولات'' پر لوٹ آنے کے لیے بیتاب ہیں، اپنے مستقبل کو ماضی کے ساتھ ٹانکنے کی کوشش کرتے ہوئے اور بیچ کی دراڑ کو تسلیم کرنے سے انکاری۔ لیکن یہ دراڑ ہے تو سہی۔ اور اس بھیانک اداسی میں، یہ ہمیں اس قیامت خیز مشین پر دوبارہ غور کرنے کا موقع دیتی ہے جو ہم نے خود اپنے لیے بنا لی ہے۔ معمولات کی طرف واپس لوٹ جانے سے زیادہ بری کوئی چیز نہیں ہوگی۔

تاریخی طور پر، عالمی وباؤں نے انسانوں کو اس بات پر مجبور کیا ہے کہ ماضی سے تعلق توڑ کر دنیا کو نئے سرے سے تصور میں لائیں۔ یہ اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ یہ ایک گزرگاہ ہے، ایک دنیا اور اس سے اگلی دنیا کے درمیان ایک دریچہ۔

یہ ہم پر منحصر ہے کہ اس سے گزرتے ہوئے، ہم اپنے تعصّبات، نفرت اور اپنے حرص کے ملبوس، اپنے ڈیٹا بینکوں اور مردہ خیالات، اپنے مردہ دریاؤں اور غبار آلود آسمانوں کو بھی ساتھ گھسیٹ لائیں۔ یا ہم اس سے ہلکے پھلکے گزریں، بہت تھوڑے بوجھ کے ساتھ، نئی دنیا کے لیے سوچنے پر تیار۔ اور اس کے لیے لڑنے کے لیے تیار۔

(بشکریہ لاٹین)(مترجم اسد فاطمی)

پاکستان میں ایک مسلمان اپنا مذہب تبدیل کر کے آرام سے نہیں رہ سکتا

زمان خان

ایک افریقی کی امریکہ کی پولیس کے ہاتھوں موت کوئی نئی بات نہیں تھی، امریکہ میں نسلی امتیاز روزمرہ کا معمول ہے، مگر وقت بھی چیزوں کا تعین کرتا ہے۔ اس دفعہ اس افسوسناک سانحہ نے نہ صرف امریکہ کے رہنے والے سیاہ فاموں کو بلکہ ساری دنیا کے باشعور لوگوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اس کے خلاف نہ صرف امریکہ میں مظاہرے ہوئے بلکہ ساری دنیا میں اس کے خلاف زبردست احتجاج ہوا۔ امریکہ میں تو پُرتشدد احتجاج ہوا اور کئی جانیں بھی ضائع ہوئیں۔

میرے نزدیک باشعور عوام اور خاص کر ماضی کے غلاموں کا احتجاج ہر طریقے سے جائز اور درست ہے اور میں ذاتی طور پر اپنے آپ کو ان کا ایک حصہ تصور کرتا ہوں۔

اگر آپ طبقات، آقا اور غلام کی تاریخ پر مختصراً بھی لکھنا چاہیں تو آپ کو ہزاروں دفتر درکار ہیں، اور پھر بھی تشنگی رہ جائے گی۔ اس سے پہلے کہ آگے چلیں یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ چند دہائیاں پہلے تک غلاموں کی تجارت ہوتی تھی، آج جس طرح جانوروں کی منڈیاں لگتی ہیں اسی طرح غلام مرددوں اور عورتوں کی منڈیاں لگتی تھیں۔ یورپ ہی نہیں بغداد، قاہرہ، دہلی اور لاہور میں بھی۔ امریکہ میں ہی غلامی کے خاتمہ کے لئے خانہ جنگی ہوئی۔ اس دفعہ احتجاج میں ایسے مجسموں کو گرایا گیا جن کے بارے میں یہ خیال یا حقیقت تھی کہ ان کا لوگوں کو غلام بنانے یا غلاموں کی تجارت میں کسی قسم کا حصہ تھا۔

مجسمہ (بت) گرانے کا کام نہ صرف امریکہ میں ہوا بلکہ انگلینڈ اور یورپ کے دوسرے شہروں میں بھی ہوا۔ اس عمل نے دنیا بھر میں ایک بحث کو جنم دیا ہے۔ ہم برصغیر میں رہنے والے کو جو کہ 1947 تک انگریزوں کے غلام تھے اس تجربہ سے گذر چکے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ انگریزوں کی غلامی یا دنیا میں غلاموں کی تجارت ماضی کی ایک حقیقت ہے، خواہ یہ کتنی ہی ہولناک، وحشت ناک یا انسانیت سوز تاریخ ہی کیوں نہ ہو۔

کیا ہم اس کو اپنی خواہش سے ماضی سے نکال سکتے ہیں؟

برصغیر میں رہنے والوں کی دلچسپ اور عجیب نفسیات ہے۔ مسلمان بچوں کو پڑھایا جاتا ہی ہے کہ محمود غزنوی بت شکن تھا لہذا ہر ایک کو بت شکن ہونا چاہئے۔ حالانکہ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ بھی دوسرے حملہ آور بادشاہوں کی طرح ایک بادشاہ تھا جو ہندوستان سے مال غنیمت لوٹ کر واپس چلا جاتا تھا۔

عظیم مورخ پروفیسر رومیلا تھاپر کی تحقیق کے مطابق تو اس نے مندر بنوانے میں مدد کی۔ ہندوستان میں تاریخ پڑھائی جاتی ہے کہ مغل یا اس سے پہلے حکمران غاصب (سامراجی) تھے وغیرہ وغیرہ۔ لہذا ہم نے دیکھا کہ کانگرس کی حکومت میں ایک مسجد جسے بابری مسجد کا نام دیا گیا اس کے نیچے رام جنم بھومی کی دیو مالا بنا کر مسمار کر دیا گیا، جس کے ردعمل میں پاکستان میں کئی مندروں کو نقصان پہنچایا گیا۔ انگریزوں کے رکھے ہوئے شہروں، سڑکوں اور اداروں کے نام تبدیل کر دیے گئے۔

عظیم مورخ پروفیسر رومیلا تھاپر کی تحقیق کے مطابق تو اس نے مندر بنوانے میں مدد کی۔ ہندوستان میں تاریخ پڑھائی جاتی ہے کہ مغل یا اس سے پہلے حکمران غاصب (سامراجی) تھے وغیرہ وغیرہ۔ لہذا ہم نے دیکھا کہ کانگرس کی حکومت میں ایک مسجد جسے بابری مسجد کا نام دیا گیا اس کے نیچے رام جنم بھومی کی دیو مالا بنا کر مسمار کر دیا گیا، جس کے ردعمل میں پاکستان میں کئی مندروں کو نقصان پہنچایا گیا۔ انگریزوں کے رکھے ہوئے شہروں، سڑکوں اور اداروں کے نام تبدیل کر دیے گئے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ لاہور میں آج بھی عام لوگ مال روڈ اور لارنس باغ ہی کہتے ہیں۔ میرے اپنے شہر کا معاملہ دلچسپ ہے اس کا نام لائکپور تھا مگر فوجی ڈکٹیٹر ضیا الحق نے آتے ہی اس کا نام فیصل آباد رکھ دیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہاں کے رہنے والے لوگوں نے اس غلط تبدیلی کو ابھی تک دل سے قبول نہیں کیا اور آج بھی اسے لائکپور ہی کہتے ہیں۔ بات کہاں سے کہاں نکل گئی مگر اس سے تاریخ اور نفسیات سمجھنے میں ضرور مدد ملے گی۔

انگریزوں نے جو ہندوستان سے لیبر دوسرے ملکوں میں تعمیراتی کام کے لئے بھیجی تھی وہ بھی تو ایک طرح کی غلامی ہی تھی۔ میں نے جیسے شروع میں ہی کہا کہ میں امریکہ میں رہنے والے سیاہ فاموں اور دنیا بھر میں باشعور لوگوں کے غلامی اور ہر قسم کے جبر کے خلاف مزاحمت میں ان کے ساتھ ہوں لیکن میں Negative Apartheid کے خلاف ہوں اور اس سلسلہ میں نیلسن مینڈیلا کو اپنا استاد مانتا ہوں، جس نے ہر قسم کے انتقام کی مخالفت کی۔

ماضی کی انسان دشمن تاریخ کا مقابلہ کرنے کا بہترین طریقہ میری نظر میں یہی ہے کہ ساری دنیا کے مظلوم اور باشعور منظّم ہوں اور یہ عہد کریں کہ ماضی کی غلامی کو کسی کو دہرانے نہیں دیں گے، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ آج بھی غلامی کی نئی شکلیں موجود ہیں اور مسلسل جدوجہد کی اشد ضرورت ہے۔

میرے نزدیک غلامی کے مجسموں کو اکھاڑنے کی بجائے ان کو رہنے دینا چاہئے اور اپنے بچوں کو یہ بتانا چاہئے کہ تاریخ کے کون کون سے تاریک دور تھے اور ہمیں اپنی جدوجہد اور اتحاد سے اسے کسی کو دہرانے نہیں دیں گے۔ ہمارا نعرہ ہونا چاہیے ہم سب برابر ہم سب آزاد۔

آخر میں گلگت بلتستان کے پہاڑوں میں کئی ٹن وزنی ماربل کے کراس کی تصویر دیکھ کر ایک واقعہ یاد آیا۔ میں رحمان صاحب کی دعوت پر نیا نیا ایچ آر سی پی کی ٹیم میں شامل ہوا تھا۔ ایک دن ہمارے دوست اور 'کلاس' کے سربراہ جوزف فرانسس آئے اور کہا کہ انہیں امریکہ سے ایک واقعہ کی شمالی علاقہ جات میں تحقیق کرنی ہے میرے ساتھ چلیں۔ میں رحمان صاحب سے اجازت لے کر اس کے ساتھ گلگت بلتستان چلا گیا۔

واقعہ یہ تھا کہ ایک پاکستانی مسلمان نے امریکہ میں سیاسی پناہ لینے کے لئے درخواست میں لکھا کہ گلگت کے ایک گاؤں میں عیسائی رہتے ہیں، جو وہاں پر چھپ کر عبادت کرتے ہیں اور اب اگر وہ واپس گیا تو اس کی جان کو خطرہ ہے۔ ہم اس دور دراز گاؤں میں پہنچے۔ اس کے گھر والوں اور گاؤں کے دوسرے لوگوں سے ملے، انہوں نے کہا کہ یہاں تو کوئی مسیحی نہیں ہے۔ واپس آ کر جوزف نے یہ رپورٹ لکھ کر امریکہ بھیج دی مگر ایک فقرے کے ساتھ کہ پاکستان میں ایک مسلمان اپنا مذہب تبدیل کر کے آرام سے نہیں رہ سکتا اور اس کی زندگی کو خطرہ ہے۔ اب صلیب کے بارے میں آثار قدیمہ والے ہمیں بتائیں گے کہ حقیقت کیا ہے؟

(بشکریہ نیا دور)

مندر نہیں بنے گا!

وسعت اللہ خان

حالانکہ اسلام آباد ہائی کورٹ نے پاکستان کے دارالحکومت میں تین ہزار ہندو شہریوں کی سہولت کے لیے پہلے مندر کمپلیکس کی تعمیر روکنے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ حکومت نے اس منصوبے کے لیے دس کروڑ روپے کی اعانت کا بھی اعلان کیا۔

مگر اسلام آباد کے انتظامی ادارے کیپیٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی (سی ڈی اے) نے اس مندر کے لیے مختص اراضی کے گرد احتیاطی چار دیواری کی تعمیر یہ کہہ کر رکوا دی کہ تعمیراتی نقشے کی منظوری تک کسی بھی اراضی پر کوئی تعمیراتی سرگرمی قانوناً نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ ہندو پنچائیت نے اجازت ملنے تک چار دیواری کی تعمیر روک دی ہے۔

تعمیراتی قوانین کے نفاذ میں سی ڈی اے کی سنجیدگی قابلِ قدر ہے۔ سنہ 2015 میں وزارتِ داخلہ کے سروے سے معلوم ہوا کہ سی ڈی اے کی حدود میں 492 مساجد آباد ہیں مگر ان میں سے 233 یعنی 47 فیصد مساجد قبضے کی زمین پر بغیر کسی قانونی منظوری کے قائم ہیں اور کئی مساجد کے ساتھ بلا اجازت مدارس بھی متصل ہیں۔

کیا سی ڈی اے میں اتنا دم ہے کہ وہ ان مساجد و مدارس کی ایک اینٹ بھی ہلا سکے؟ کیا کوئی عالمِ حق بانگِ دہل آج کل کے ماحول میں کہہ سکتا ہے کہ قبضے کی زمین پر نماز نہیں ہوسکتی۔

مسجدِ نبوی کی زمین کے مالک دو یتیم بچوں نے اسے تحفتاً پیش بھی کر دیا مگر پیغمبرِ اسلام نے اس قطعہِ اراضی کو قیمتاً حاصل کیا تا کہ آنے والے ادوار کے لیے مثال قائم ہو۔

اسلام آباد میں مکتبہ دیوبند کے علما کرام نے گذشتہ ہفتے پریس کانفرنس کی کہ اسلامی مملکت میں بت خانے کی تعمیر غیر شرعی ہے اور صرف پرانے مندروں کی بحالی و توسیع ہوسکتی ہے۔

البتہ ایک عالم مفتی راغب نعیمی نے کہا کہ مندر کی تعمیر میں سرکاری پیسہ استعمال نہیں ہوسکتا تاہم ہندو برادری اپنے سرمائے سے قطعہِ اراضی خرید کے مندر تعمیر کر سکتی ہے۔ اب یہ معاملہ حکومت نے اسلامی نظریاتی کونسل کو بھجوا دیا ہے۔

اس دوران پنجاب اسمبلی کے سپیکر چوہدری پرویز الٰہی بھی بحث میں کود گئے اور انھوں نے دو ہاتھ مزید آگے بڑھ کے کہا کہ اسلامی ملک کے دارالحکومت میں مندر کی تعمیر ریاستِ مدینہ کی روح کے خلاف ہے۔ صرف پرانے مندر بحال ہوسکتے ہیں۔

اس پوری بحث میں کسی نے نہیں کہا کہ ہمیں اس بارے میں اسلام آباد ہائی کورٹ کے فیصلے کا احترام کرنا چاہیے ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ آئین کی روشنی میں ہی دیا گیا ہوگا۔

آئین میں اقلیتوں کو برابر کے حقوق اور مذہبی عبادت کے حق کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔ آئین میں کہیں نہیں کہا گیا کہ برابر کے شہری ہونے کے باوجود وہ کوئی نئی عبادت گاہ تعمیر نہیں کر سکتے یا ٹیکس دینے کے باوجود ریاست سے عبادت گاہوں کی تعمیر و مرمت کے لیے گرانٹ نہیں لے سکتے۔

جس طرح پاکستان میں مسلمان شہریوں کی آبادی بڑھ رہی ہے اور اس بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کے اعتبار سے نئی مساجد اور قبرستانوں کی تعمیر ہو رہی ہے اسی طرح غیر مسلموں کی آبادی بھی بڑھ رہی ہے مگر ان کی عبادت گاہوں یا آخری رسومات کی سہولتوں میں اضافہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

مثلاً آل پاکستان ہندو رائٹس موومنٹ کے سروے کے مطابق تقسیم کے وقت موجودہ پاکستان کی آبادی ساڑھے تین کروڑ تھی جبکہ 428 مندر آباد تھے۔ 73 برس کے دوران 20 کو چھوڑ کے باقی تمام مندر گوداموں، گھروں، دفاتر، تعلیم گاہوں وغیرہ میں غائب ہوگئے۔

ملک میں اس وقت ہندو آبادی 40 لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اس 40 لاکھ کے لیے سندھ میں 11، پنجاب میں چار، بلوچستان میں تین اور خیبر پختونخوا میں دو مندر فعال ہیں۔ ہندو کمیونٹی سینٹرز عنقا ہیں جبکہ شمشان گھاٹ کی سہولتیں سینکڑوں میل کے فاصلے پر ہیں۔

حکومت نے چار ماہ پہلے اعلان کیا کہ لگ بھگ چار سو مندروں کو دوبارہ بحال کر کے ہندو برادری کے حوالے کیا جائے گا مگر رفتار کا عالم یہ ہے کہ 73 برس میں صرف چار مندر بحال ہو سکے۔

چکوال میں کٹاس راج (یہ عبادت سے زیادہ نمائشی مقاصد کے لیے ہے)۔ سیالکوٹ، پشاور اور ژوب میں ایک ایک مندر بحال ہو پایا۔ یہی رفتار رہی تو باقی 396 مندر زیادہ سے زیادہ اگلے ایک ہزار برس میں بحال ہو جائیں گے۔

سعودی عرب اور ایران دو مسلمان ممالک ہیں جہاں قانوناً کوئی نئی غیر مسلم عبادت گاہ تعمیر نہیں ہوسکتی۔ اس کے علاوہ کسی اور ملک میں قانوناً اس کی مناہی نہیں البتہ شرعی تشریحات الگ الگ ہیں۔

جیسے خلیجی ممالک میں عبادت گاہوں کی تعمیر کو آبادی کے تناسب اور مذہبی سہولت سے جوڑ کے دیکھنے کا چلن ہے۔ چنانچہ اومان میں سوا سو سال پرانا شیو مندر مسقط میں قائم ہے۔ بحرین میں ہندو کارکنوں کے لیے آٹھ مندر ہیں جنھیں سرکاری و بین الاقوامی سرپرستی حاصل ہے۔

دبئی میں سنہ 1958 میں ایک کمرشل عمارت کی چھت پر مندر قائم تھا۔ ابھی دو برس پہلے متحدہ عرب امارات کی حکومت نے ابوظہبی میں 27 ایکڑ رقبہ سوامی نارائن مندر کی تعمیر کے لیے عطیہ کیا۔

اس وقت امارات میں تیس لاکھ کے لگ بھگ ہندو کارکن ہیں اور نیا مندر کمپلیکس ہندو آبادی کے تناسب سے بنایا جا رہا ہے۔ توقع ہے کہ اس سال کے اختتام تک یہ مندر عبادت و سماجی سرگرمیوں کے لیے کھول دیا جائے گا۔

پہلے بڑے مسلمان ملک انڈونیشیا کے جزیرے جاوا میں نویں صدی کا پرمبنان مندر جنوب مشرقی ایشیا کا سب سے بڑا مندر اور عالمی وراثت کی یونیسکو فہرست کا حصہ ہے۔

سرکار نے تمام قدیم مندروں کو محفوظ اور پرکشش بنانے کے لیے خطیر رقم مختص کی چنانچہ مذہبی سیاحت میں پچھلے ایک عشرے میں دوگنا اضافہ ہوا۔

دوسرے بڑے مسلمان ملک بنگلہ دیش کے دارالحکومت کے ڈھاکیش واری مندر کو مسجدِ بیت المکرّم کی طرح قومی عبادت گاہ کا درجہ حاصل ہے۔ وہاں ہر صبح کا آغاز قومی پرچم لہرانے اور ترانے سے ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ سنہ 1988 میں اسلام ریاست کا قومی مذہب قرار دیا گیا۔

جبکہ تیسرے بڑے مسلمان ملک پاکستان میں یہ بحث ہو رہی ہے کہ ہندو شہریوں کے لیے نیا مندر جائز ہے کہ ناجائز۔

یقین نہیں آتا کہ یہ وہی ملک ہے جہاں 60 کے عشرے تک جو 22 سرکاری چھٹیاں ہوتی تھیں ان میں 25 تا 31 دسمبر کرسمس کی ایک ہفتے کی چھٹیوں کے علاوہ ایسٹر، بیساکھی، دسہرے، دیوالی اور ہولی کو بھی قومی تعطیل کا درجہ حاصل تھا۔

ریاست اس دور میں بھی تھی، حکمران اس دور میں بھی تھے اور علما کرام تب بھی تھے۔ پھر شاید یوں ہوا کہ ذہنی قد چھوٹے ہونے لگے اور سائے لمبے۔۔۔ ارے یاد آیا، آج پانچ جولائی بھی تو ہے۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

شیخوپورہ میں احمدی برادری کا انتظامیہ اور مقامی افراد پر قبروں کی بے حرمتی کا الزام

پاکستان کے شہر شیخوپورہ کے ایک نواحی گاؤں کی رہائشی احمدیہ برادری کے افراد نے الزام عائد کیا ہے کہ مقامی افراد نے انتظامیہ کے ساتھ مل کر ان کے پیاروں کی قبروں کی بے حرمتی کی ہے۔

جماعتِ احمدیہ پاکستان کے ترجمان سلیم الدین نے ٹوئٹر پر چند تصاویر پوسٹ کی ہیں جن میں مختلف قبروں کے کتبے ٹوٹے ہوئے ہیں۔

اپنی ٹویٹ میں انھوں نے لکھا کہ 'پاکستان میں بسنے والی احمدی برادری کے افراد مرنے کے بعد بھی سکون میں نہیں ہیں۔ ضلع شیخوپورہ کے علاقے نواں کوٹ کے ایک گاؤں چک 79 میں احمدیوں کی قبروں کو مقامی مذہبی افراد اور حکام کی طرف سے نقصان پہنچانے کا واقعہ قابلِ مذمت ہے۔'

ٹویٹ میں ان کا مزید کہنا تھا 'پہلے احمدی برادری کے افراد کو قبروں کے کتبوں کو توڑنے کا کہا گیا تھا اور ان کے انکار پر انتظامیہ نے مقامی مذہبی افراد کی مدد سے خود یہ کام کر دیا۔'

جماعتِ احمدیہ کے ایک ترجمان عامر محمود نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ ابتدا میں مقامی آبادی اور احمدیہ برادری کے افراد کے درمیان جنازہ گاہ کی تعمیر کے منصوبے پر تنازعہ ہوا تھا جس پر مقامی افراد نے پولیس کو درخواست دی تھی۔

درخواست میں کہا گیا تھا احمدیہ برادری کے افراد قبرستان میں علیحدہ جنازہ گاہ تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، ان کو ایسا کرنے سے روکا جائے۔ اس پر دونوں اطراف کے نمائندوں کو مقامی تھانے میں بلایا گیا اور احمدی برادری کے افراد کو کہا گیا کہ وہ جنازہ گاہ تعمیر نہ کریں۔

'احمدی برادری کے افراد اس بات پر راضی ہو گئے تاہم ساتھ ہی ان سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ وہ اپنے پیاروں کی قبروں سے کتبے بھی ہٹا دیں۔ پولیس کو دی جانے والی درخواست میں اس مطالبے کا ذکر نہیں تھا۔'

انھوں نے کہا کہ 'مقامی مذہبی افراد کو اعتراض تھا کہ احمدی برادری کے افراد کی قبروں کے کتبوں پر قرآنی آیات درج کی ہیں جبکہ اقلیت ہونے کے ناطے وہ ایسا کرنے کا حق نہیں رکھتے تھے اس لیے انھوں نے مطالبہ کیا کہ کتبوں کو ہٹایا جائے۔'

امر محمود کا کہنا تھا احمدی برادری کے افراد نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ انھوں نے الزام عائد کیا کہ اس کے بعد 'مقامی مذہبی افراد نے پولیس کی مدد سے کتبوں کی بے حرمتی کی۔'

تاہم مقامی صفدر آباد تھانے کے مہتمم صداقت رندھاوا نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے اس بات سے انکار کیا کہ ایسا کوئی واقعہ ہوا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ 'قبروں کی بے حرمتی کا کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں ہے۔ میں نے خود قبرستان میں جا کر دیکھا ہے ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔'

ٹوئٹر پر شائع ہونے والی تصاویر کے حوالے سے ان کا کہنا تھا کہ انھیں نہیں معلوم کہ وہ تصاویر کہاں کی ہیں۔ تاہم ان کے علاقے کے قبرستان میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔

تاہم انھوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ مقامی افراد نے ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر شیخوپورہ کو ایک درخواست دی تھی جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ گاؤں میں رہنے والے احمدی برادری کے افراد مقامی قبرستان میں علیحدہ جنازہ گاہ تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

درخواست میں بتایا گیا کہ 'اس مقصد کے لیے مطلوبہ سامان یعنی اینٹیں اور ریت وغیرہ وہاں پہنچائے گئے تھے۔'

مقامی افراد کی طرف سے دی جانے والی درخواست میں لکھا گیا تھا کہ احمدی برادری کے افراد اقلیت ہونے کے باوجود خود کو مسلمان اور امتِ محمدیہ کا حصہ ظاہر کرتے ہوئے سرکاری اراضی پر قبضہ کر کے جنازہ گاہ تعمیر کرنا چاہتے تھے جو کہ آئین اور قانون کے خلاف تھا۔

درخواست میں مزید کہا گیا کہ 'ان کے اس اقدام سے مقامی آبادی میں غم و غصہ پایا جاتا ہے اور انتشار کا اندیشہ ہے اس لیے امن و امان قائم رکھنے کے لیے احمدیہ برادری کے افراد کو ایسا غیر قانونی اقدام کرنے سے روکا جائے۔'

ایس ایچ او صداقت رندھاوا نے بی بی سی کو بتایا کہ اس درخواست کے بعد دونوں اطراف کے لوگوں کو تھانے میں بلایا گیا تھا اور بات چیت کے بعد احمدی برادری کے افراد اس بات پر راضی ہو گئے تھے کہ وہ جنازہ گاہ کی تعمیر کا ارادہ ترک کر دیں گے۔

ان کا کہنا تھا کہ گاؤں میں احمدی برادری کے 35 سے 40 افراد رہائش پذیر تھے۔ تھانے میں بات چیت کے بعد معاملہ ختم ہو گیا تھا اور قبروں کی بے حرمتی کا واقع نہیں ہوا۔

کرونا وائرس سے 3 صحافی جاں بحق، 156 متاثر، پی ایف یو جے

اسلام آباد (اسلام آباد: پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس (پی ایف یو جے) نے بتایا ہے کہ ملک میں اب تک کورونا وبا سے 3 صحافی اپنی جانیں گنوا چکے ہیں جبکہ 156 متاثر ہیں۔ پی ایف یو جے کی جاری کردہ ایک رپورٹ میں بتایا گیا کہ کووڈ 19 کے پھیلاؤ کے بعد سے کیمرا جرنلسٹس اور فوٹو جرنلسٹس سب سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں۔ مذکورہ رپورٹ پی ایف یو جے کے کووڈ 19 ریسکیو کمیٹی کے سربراہ ذوالفقار علی مہتو نے مرتب کی ہے اور اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ کورونا سے جاں بحق ہونے والے ان 3 صحافیوں میں سے ایک ملتان جبکہ 2 سکھر سے تھے۔ اس کے علاوہ 69 صحافی صحتیاب ہو کر ہسپتال سے گھر لوٹ چکے ہیں جبکہ دیگر اس وقت قرنطینہ میں ہیں اور ان کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ رپورٹ کے مطابق فیصل آباد، بہاولپور اور رحیم یار خان میں کسی بھی ایک صحافی میں کورونا وائرس کی تشخیص نہیں ہوئی۔ تاہم لاہور میں سب سے زیادہ کیسز رپورٹ ہوئے اور وہاں 84 صحافی اس وائرس سے متاثر ہوئے، اس کے بعد راولپنڈی اور اور اسلام آباد میں 24، کوئٹہ میں 17، پشاور میں 12، کراچی میں 9، سکھر میں 6، ملتان میں 5 اور گوجرانوالہ اور حیدر آباد میں 2، 2 کیس سامنے آئے۔ ذوالفقار علی مہتو کا کہنا تھا کہ پی ایف یو جے نے ملک بھر میں اور آزاد کشمیر میں پھیلے اپنے یونٹس سے ڈیٹا حاصل کیا۔ انہوں نے بتایا کہ 'آزاد جموں کشمیر میں میڈیا سے تعلق رکھنے والا ایک فرد متاثر ہوا اور وہ صحتیاب ہو گیا۔ پی ایف یو جے کی جانب سے سندھ، خیبر پختونخوا، بلوچستان، گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کی حکومتوں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ کورونا سے متاثرہ صحافیوں کو کم از کم ایک لاکھ روپے فراہم کریں۔ (نامہ نگار)

بلوچستان کے لاپتہ افراد: 'لاپتہ ہونے سے قبل دھمکی آمیز فون آتے تھے'

محمد کاظم

اپنے زخمی پیروں کی تصاویر دکھاتے ہوئے سمی بلوچ کا کہنا تھا کہ کہ جب وہ چلتے ہوئے اپنے پیروں کو زمین پر رکھتی تھیں تو اس سے ہونے والی تکلیف کا اظہار الفاظ میں ناممکن ہے۔

وہ کہتی ہیں کہ 'انھی زخمی پیروں کے ساتھ میں نے دیگر افراد کے ہمراہ جدید انسانی تاریخ کی طویل ترین لانگ مارچ یہ سوچ کر کی کہ شاید ہماری تکالیف کو دیکھ کر انھیں ترس آ جائے اور وہ میرے والد سمیت دیگر لاپتہ افراد کو منظر عام پر لے آئیں۔ مگر انھیں ترس نہیں آیا'۔

سمی بلوچ 13 سال کی عمر سے اپنے والد کی بازیابی کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ ان کا الزام ہے کہ ان کے والد کو ریاستی اداروں نے جبری طور پر لاپتہ کیا ہے لیکن محکمہ داخلہ حکومت بلوچستان اور وفاقی حکومت کے ماتحت سکیورٹی کے اداروں کے حکام اس الزام کو مسترد کرتے ہیں۔

سمی کا کہنا ہے کہ ان کے والد ڈاکٹر دین محمد بلوچ کو پہلے جبری طور لاپتہ کیا گیا جس کے بعد سے والد کی بازیابی کے لیے جدوجہد ان کی زندگی کا سب سے بڑا مشن ہے۔

سمی بلوچ کا تعلق بلوچستان کے پسماندہ اور شورش زدہ ضلع آواران سے ہے اور وہ ڈاکٹر دین محمد بلوچ کی بڑی بیٹی ہیں۔ اس وقت بی ایس میڈیا اینڈ جنرلزم کی دوسرے سال کی طالبہ ہے۔

ان کے والد ڈاکٹر دین محمد بلوچ نے بولان میڈیکل یونیورسٹی سے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی تھی۔

سمی بلوچ نے بتایا کہ لاپتہ کیے جانے سے قبل وہ آواران سے متصل ضلع خضدار کے علاقے اورناچ کے بنیادی مرکز صحت میں میڈیکل آفیسر تعینات تھے۔

سمی بلوچ کے مطابق ان کے والد کو 28 جون 2009 کی شب بنیادی مرکز صحت سے لاپتہ ہو گئے تھے۔

سمی بلوچ کہتی ہیں کہ ان کے والد لاپتہ کیے جانے سے قبل ان کی تیمارداری کے لیے کوئٹہ میں آئے تھے۔

'دس سال کی عمر میں ٹانسلز کی وجہ سے میں بیمار ہو گئی تھی۔ والد نے آفس سے رخصت لی اور ٹانسلز کا آپریشن کروانے کے لیے مجھے کوئٹہ لے آئے'۔

انھوں نے بتایا کہ ابھی انھیں کوئٹہ آئے ہوئے تین، چار روز ہوئے تھے کہ ان کے ڈیوٹی پر واپس آنے کو کہا گیا۔

'مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ والد بیماری کی حالت میں مجھے چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تھے مگر واپس آفس جانا بھی ان کی مجبوری تھی، اس لیے وہ مجھے چھوڑ کر اورناچ اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گئے۔ اور ناچ پہنچنے کے اگلے ہی روز یعنی 28 جون کو انھیں لاپتہ کر دیا گیا'۔

ان کا کہنا تھا کہ جس وقت ان کے والد کو اٹھایا گیا اُس وقت ہسپتال کا چوکیدار بھی وہاں موجود تھا۔

'چوکیدار کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کو وہیں چھوڑ دیا گیا تھا جبکہ ان کے والد کو وہاں آنے والے لوگ ساتھ لے گئے'۔

ان کا کہنا تھا کہ ان کے والد زمانہ طالب علمی سے ایک سیاسی کارکن تھے اور اس کے علاوہ ان کا کوئی جرم اور قصور نہیں تھا۔

انھوں نے بتایا کہ لاپتہ ہونے سے قبل ان کے سیاسی نظریات کی وجہ سے ان کو دھمکی آمیز فون آتے تھے اور ان کو یہ کہا جاتا تھا کہ وہ اپنی ان نظریات اور سیاسی سوچ سے باز آ جائیں۔

کم عمری میں طویل پیدل لانگ مارچ کرنے والی پہلی خاتون

بلوچستان سے لوگوں کی اپنے رشتہ داروں کی جبری گمشدگیوں کے حوالے سے شکایات کا سلسلہ 2002 سے شروع ہوا۔

سرکاری حکام کا یہ موقف ہے کہ بلوچستان میں لوگوں کی جبری گمشدگی کا کوئی مسئلہ نہیں لیکن بعض عناصر ریاست کو کمزور کرنے کے غیر ملکی سازشوں کے تحت اس کو ایک ایجنڈا کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔

عدالتوں میں اس حوالے سے درخواستوں کی سماعت کے دوران سرکاری حکام کی جانب سے یہ بھی بتایا جاتا رہا کہ جن لوگوں لاپتہ قرار دیا جا رہا ہے وہ فراری کیمپوں میں ہیں یا بیرون ملک گئے ہیں۔ اس حوالے سے افغانستان کے جنوب مغربی حصوں کے بعض علاقوں کا نام بھی لیا جاتا رہا ہے۔

اس سرکاری موقف کے حوالے سے سوال پر سمی بلوچ نے اپنی موبائل فون میں موجود اپنی زخمی پیروں کی تصویر دکھائی اور کہا کہ کوئی ڈرامے کے لیے یا شوقیہ کوئٹہ سے کراچی اور پھر کراچی سے اسلام آباد تک دو ہزار کلومیٹر سے زائد کا طویل پیدل مارچ کر سکتا ہے؟ 'یہ بہت اذیت ناک سفر تھا۔ ہمارے پیر اتنے زخمی ہوئے اور ان میں اتنے چھالے پڑ گئے کہ ان کی وجہ سے پیروں کے بعض انگلیوں کے ناخن تک گر گئے'۔

یہ لانگ مارچ اکتوبر 2013 میں وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز کے وائس چیئر مین ماما قدیر بلوچ کی قیادت میں کیا گیا۔

سمی بلوچ کا کہنا تھا کہ موسم کی سختیوں کے باوجود میں نے دیگر لوگوں کے ساتھ یہ طویل مارچ لوگوں کو یہ یقین دلانے کے لیے کیا کہ میرے والد کو جبری طور پر لاپتہ کیا گیا ہے۔

انہوں نے بتایا کہ 'جو لوگ گمشدگی کے بعد بازیاب ہوئے ان میں سے بعض لوگوں نے ہمیں بتایا کہ ڈاکٹر دین محمد ٹارچر سیل میں ہیں'۔

ان کا کہنا تھا کہ مرے ہوئے شخص پر صبر آ جاتا ہے لیکن اگر کسی کا پیارا جیتے جی گم ہو جائے تو اس کو زندگی بھر نہیں بھلایا نہیں جا سکتا۔

انھوں نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا کہ 'جب ہم گھر میں کوئی اچھا کھانا کھاتے ہیں تو اس وقت والد کی یاد آتی ہے اور ہم سوچتے ہیں کہ ان کو کھانا ملتا بھی ہے یا نہیں'۔

سمی بلوچ نے بتایا کہ لوگوں کا کسی کے لیے ایک دن کا انتظار قیامت کے برابر ہوتا ہے لیکن ہم 11 سال سے اپنے والد کا انتظار کر رہے ہیں، اگر دنوں میں بات کی جائے تو یہ چار ہزار 15 دن بنتے ہیں۔

ان کا کہنا تھا کہ 'ان کی دادی جب اپنی آخری سانسیں لے رہی تھیں تو ان کی زبان پر کلمے کے علاوہ صرف یہ بات تھی کہ ان کو ان کے بیٹے سے ملوا دیا جائے'۔

'ہم اب نفسیاتی مریض بن چکے ہیں ہمیں نیند کے لیے گولیوں کا سہارا لینا پڑتا ہے'۔

انھوں نے کہا کہ اگر میرے والد نے کوئی جرم کیا ہے تو انھیں عدالت میں پیش کر کے سزا دی جائے۔

انھوں نے کہا کہ جب ہم حکمرانوں کے پاس اپنے والد کی بازیابی کے لیے جاتے ہیں تو کبھی یہ کہا جاتا کہ شاید اس نے کوئی جرم کیا ہے اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ وہ فراری کیمپوں میں ہے۔

سمی بلوچ کا کہنا تھا کہ وہ جب اپنی شناختی کارڈ بنوانے نادرا گئیں تو عملے نے کہا کہ شناختی کارڈ نہیں بن سکتا کیونکہ ان کے والد کا شناختی کارڈ ایکسپائر ہونے کے بعد دوبارہ نہیں بنا ہے۔

دین محمد بلوچ کی گمشدگی کے بارے میں حکومتی موقف کیا ہے؟

ڈاکٹر دین محمد بلوچ کا شمار ان لاپتہ افراد میں ہوتا ہے جن کی گمشدگی کے خلاف ان کے رشتہ داروں کی درخواستوں کی سماعتیں عدالتوں میں سب سے زیادہ ہوئی ہیں۔

ڈاکٹر دین محمد کی گمشدگی کے خلاف درخواست کی سماعت نہ صرف بلوچستان ہائی کورٹ بلکہ سپریم کورٹ میں بھی ہوئی ہے۔

ان عدالتوں میں محکمہ داخلہ حکومت بلوچستان اور وفاقی سکیورٹی ایجنسیوں کے حکام بھی پیش ہوتے رہے ہیں۔

ان کی جانب سے یہ موقف اختیار کیا جاتا رہا کہ ڈاکٹر دین محمد بلوچ کو نہ کسی سرکاری ادارے نے اٹھایا ہے اور نہ ہی وہ ان کی تحویل میں ہیں۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

جی ہاں، بلوچوں کی زندگیاں بھی معنی رکھتی ہیں

طارق کھوسہ

حالیہ بجٹ اجلاس کے دوران بلوچستان نیشنل پارٹی (مینگل) کے سربراہ سردار اختر مینگل نے حکومت سے علیحدگی کا اعلان کیا جس کے باعث پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) حکومت کو دھچکا پہنچا ہے۔ اختلافِ رائے کی تازہ یہ آواز ملک کے لیے کوئی اچھا شگن نہیں ہے۔

حکومت پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ اس نے بلوچستان کے مسائل کو 'غیر سنجیدہ' لیا حکومت بننے سے قبل 2018 کے عام انتخابات کے فوراً بعد پی ٹی آئی قیادت کے ساتھ طے پانے والے 2 معاہدوں پر عمل نہ کرنے کا الزام بھی عائد کیا گیا ہے۔

اختر مینگل نے اپنی تقریر کے دوران جن 2 اہم مسائل کا ذکر کیا ان میں سے ایک گمشدہ افراد کا معاملہ اور دوسرا انسدادِ دہشتگردی سے متعلق قومی ایکشن پلان پر عمل درآمد نہ ہونا ہے۔

اگست 2018 میں بلوچستان نیشنل پارٹی (مینگل) اور پی ٹی آئی نے مرکز میں اتحاد کے لیے 6 نکاتی مفاہمتی یادداشت پر دستخط کیے تھے۔ یادداشت میں

- گمشدہ افراد کی بازیابی،
- نیشنل ایکشن پلان پر عمل درآمد،
- وفاقی حکومت کے محکموں میں بلوچستان کے لیے 6 فیصد کوٹا،
- افغان مہاجرین کی جلد واپسی کا عمل اور
- صوبے میں چھوٹے ڈیموں کی تعمیر سے متعلق نکات شامل تھے۔

ان مطالبات پر پورا اترنے میں ناکامی سے اسلام آباد کی پالیسی سازی میں مہلک خرابی ظاہر ہوتی ہے۔

بلوچستان کے زخموں کو بھرنے کی کوششیں نہ کرنے سے حقیقی قوتوں نے بلوچ عوام میں شدید غم و غصے کی فضا پیدا کردی ہے۔ سرِفہرست مسئلہ گمشدہ افراد کا ہے۔

2013 اور 2017 کے بیچ ریاستی اداروں نے بلوچ کارکنان کے خلاف مارو اور پھینکو کی حکمتِ عملی اپنائے رکھی۔ اجتماعی قبریں کھودی گئیں۔ بعدازاں اس ظالمانہ حکمتِ عملی کی جگہ اسٹیبلشمنٹ نے سمجھداری سے کام لیتے ہوئے گاجر اور ڈنڈے کی حکمت عملی اپنائی جس کے نتیجے میں وہ چند سو بلوچ کارکنان گھر کو لوٹے جنہیں سول مسلح افواج اور انٹیلی جنس اداروں نے اٹھایا تھا۔

تاہم یادداشت پر دستخط ثبت ہونے کے بعد بھی شورش پسندوں کی جانب سے شدت پسندی اور ریاست کی جانب سے پرتشدد جواب کا سلسلہ نہیں تھم سکا ہے۔

امن کی خاطر آئینی فریم ورک کو تسلیم کرنے پر راضی مختلف بلوچ سیاستدانوں کے مختلف دھڑوں اور کارکنان کے ساتھ مفاہمت کی پُرخلوص کوشش کی ضرورت پر دسمبر 2014 میں تمام سیاسی جماعتوں اور فوجی اسٹیبلشمنٹ کے درمیان انسدادِ دہشتگردی کے لیے نیشنل ایکشن پلان کی صورت میں ایک اتفاقِ رائے قائم ہوا تھا۔

2015 میں بلوچستان لبریشن آرمی اور بلوچ ری پبلکن آرمی کے لیڈران سے بات چیت کے لیے حکومتی نمائندگان کے لندن اور جنیوا کے دورے خلوص کو ظاہر کرتے ہیں۔ تاہم دونوں جانب سخت مؤقف اپنائے جانے کی وجہ سے پس پردہ ملاقاتوں کا سلسلہ رُک گیا۔

متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے بلوچ نوجوانوں کی نمائندگی کرنے والے بی ایل ایف رہنما پاک ایران سرحد کے قریب ہونے کی وجہ سے پہلی بار قبائلی سرداروں کی جاری چھوٹے درجے کی شورش کو ہتھیانے میں کامیاب رہے۔ سیکیورٹی تجزیہ نگار یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جب شورش اپنے عروج پر تھی تو اس وقت شدت پسندوں کی تعداد 6 ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ریاست کی جانب سے گاجر اور ڈنڈے کی حکمتِ عملی اپنانے کے بعد اس تعداد میں کمی آئی ہے۔

گمشدہ افراد کے مسئلے کا حل اور مفاہمت کی راہ ہموار کی دونوں آئین اور قومی ایکشن پلان کے نفاذ کے ذریعے ممکن ہے۔ طاقت کے استعمال سے دل و دماغ نہیں جیتے جاسکتے۔ ہمارے 2 اہم سول اور فوجی انٹیلی جنس ادارے ایک طویل عرصے سے قانونی فریم ورک کے بغیر کام کرتے چلے آئے ہیں۔ انہیں قانون اور پارلیمنٹ کے آگے جوابدہ بنانا ہوگا۔

سویلین حکومتوں کی جانب سے ماضی میں وفاقی انٹیلی جنس ادارے کو قانون کے دائرے میں لانے کی 2 بار کی جانے والی کوششوں کو ناکام بنا دیا گیا تھا۔ قومی ایکشن پلان پر عمل درآمد پر نظرثانی کے لیے قومی سلامتی پر کم از کم ایک پارلیمانی کمیٹی تشکیل دینی چاہیے۔ مجھے ہمارے ان قانون سازوں پر افسوس ہوتا ہے جو حقیقی قوتوں کو خوش کرنے کے لیے ہر حد پار کرجاتے ہیں۔ ایک آمرانہ ایجنڈے پر چلنے اور فوجی بغاوت کی آبیاری میں کوئی فرق نہیں۔

بدقسمتی سے جبری گمشدگی کے بارے میں تحقیقاتی کمیشن ہر طرح سے ناکام رہی ہے۔ پاکستان بین الاقوامی وعدوں کے باوجود جبری گمشدگیوں پر قانون سازی میں ناکام رہا ہے۔ ریاست اپنی ساکھ گنوا چکی ہے اور کمیشن کے چیئرمین گمشدہ افراد کے لواحقین کی اذیت پر راتیں جاگ جاگ کر گزارنے کے بجائے مختلف سرکاری عہدے حاصل کرنے میں دلچسپی لیتے نظر آتے ہیں۔

پی ٹی آئی نے بی این پی (مینگل) کی جانب سے کیا گیا 6 فیصد کوٹے کا مطالبہ نظرانداز کردیا ہے۔ ایسے کتنے وفاقی سیکریٹری، وفاقی حکومت کے محکموں اور اداروں کے سربراہان ہیں جن کا تعلق بلوچستان سے ہے؟ شاید 2 فیصد بھی نہیں ہیں۔

پبلک سروس کمیشن کے ذریعے سول سروس سے وابستہ ہونے کے خواہشمند بلوچستان کے امیدواروں کے کوٹے کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ بلوچ نوجوانوں کو پاکستان کی اعلیٰ یونیورسٹیوں میں تعلیم دلوانے کے لیے اسکالرشپس دی جائیں۔ انہیں یہ محسوس کروانا ہوگا کہ ریاست انہیں بااختیار بنا رہی ہے نہ کہ انہیں اپنا دشمن سمجھتی ہے۔ وہ ہم میں سے ہیں۔ ہمدردی، احساس اور بلوچ ثقافت کو سمجھنے کا جذبہ بیدار کرنا ہوگا۔ دیگر صوبوں سے تعلق رکھنے والے سول سرونٹس کو مڈ کیریئر کی سطح پر ترقی کی اہلیت کو بلوچستان میں 2 برس کی سروس سے مشروط کیا جائے۔ اسلام آباد کے زیادہ تر سول سرونٹس بلوچستان کی تاریخ، ثقافت، جغرافی اور اس کے اقدار سے نابلد ہیں۔

خیبر پختونخوا اور بلوچستان سے افغان مہاجرین کی واپسی کا عمل انسدادِ دہشتگردی قومی ایکشن پلان کا اہم حصہ تھا۔ اسے افغان تنازع کے تناظر میں حائل مجبوریوں کے باعث سرد خانے کی نذر کردیا گیا ہے۔ اب جبکہ پاکستان افغانستان میں امن مذاکرات میں اہم کردار ادا کر رہا ہے لہٰذا مہاجرین کی واپسی کے طریقوں پر بات چیت کرنے کا یہی اچھا موقع ہے۔

چونکہ میں بلوچستان میں بطور پولیس سربراہ خدمات انجام دے چکا ہوں اس لیے میں اس بات سے واقف ہوں کہ انتخابات کے دوران افغان مہاجرین ان پختون زیرِاثر سیاسی جماعتوں کے لیے طاقت بڑھانے کا باعث بنتے ہیں جنہوں نے کوئٹہ اور اس کے گردونواح میں مقیم افغان خاندانوں کو قومی شناختی کارڈ بنوانے میں مدد کی ہے۔ شمالی بلوچستان میں مہاجر کیمپوں میں پیدا ہونے والے بچے پاکستان کو اپنا وطن قرار دینے کا حق رکھتے ہیں۔ انہیں جبراً جنگ زدہ علاقے میں بھیجنے کے بجائے اس مسئلے کا کوئی معقول حل تلاش کرنا ہوگا۔

سی پیک کی کامیابی کے لیے پانی کے شدید بحران کو حل کرنے کے لیے صوبے میں ڈیموں کے مطالبے کو سنجیدہ لینا ہوگا۔ 2010 میں بلوچستان کے لیے وہ فخریہ لمحہ تھا جب این ایف سی ایوارڈ کو گوادر میں آخری شکل دی گئی۔ صوبہ فراموشہ کے مالی حقوق کو بالآخر تسلیم کرلیا گیا۔ این ایف سی میں تبدیلی یا ترمیم، جس کی تجویز حال ہی میں وزیرِاعظم نے دی ہے، اس کے سنگین نتائج مرتب ہوں گے۔

اس سے زیادہ حیران کن بیان وزیرِاعظم نے اپنے اس دورہ کراچی کے موقع پر دیا جس میں انہوں نے وزیرِاعلیٰ سے ملاقات بھی نہیں کی۔ وزیرِاعظم نے 18ویں ترمیم پر نظرثانی کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ آئین میں مشترکہ مفادات کونسل کے ذریعے نظرثانی اور ایڈجسٹمنٹ کی گنجائش موجود ہے۔ اس لحاظ سے وزیرِاعظم کو وزرائے اعلیٰ کے ساتھ بیٹھ کر ہی تمام معاملات سلجھانے ہوں گے۔

پاکستان میں کرونا وائرس تیزی سے پھیل رہا ہے اور اس وقت سب کی نظریں سیاستدانوں پر مرکوز ہیں۔ کیا یہ اپنے اختلافات ایک طرف رکھ کر امتحان کی اس گھڑی میں قوم کو یکجا کریں گے؟

کھیل کے میدان میں بطور ایک بڑے ہیرو کی حیثیت سے عمران خان وعدے کی طاقت سے بخوبی آشنا ہوں گے۔ انہیں بلوچستان کے مسائل کو حل کرنے کا اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا کیونکہ بلوچوں کی زندگیاں بھی معنی رکھتی ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

ائیر مارشل ظفر چوہدری کی یاد میں چند باتیں

ناصر احمد خالد

ائیر مارشل مرحوم سے میری شناسائی گذشتہ تیس، بتیس برس سے تھی۔ آپ باوقار باپ چوہدری بشیر احمد کاہلوں مرحوم کے باوقار بیٹے تھے اور ایچ آر سی پی کے بانی اراکین میں شامل تھے۔ اور میں بھی بانی اراکین میں شامل ہوں۔ 1986 میں ضیاء الحق کے ظالمانہ دور حکومت میں عاصمہ جہانگیر اور حنا جیلانی ایڈووکیٹ نے اپنے نامور باپ 'مردحر' ملک غلام جیلانی مرحوم کی یاد میں پرل کانٹینینل ہوٹل میں دوروزہ انٹرنیشنل کانفرنس منعقد کی اور یوں ایچ آر سی پی کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت، مسٹر جسٹس دراب پٹیل، مسٹر محمود علی قصوری، وارث میر اور ملک محمد قاسم کے علاوہ دنیا بھر سے انسانی حقوق کے کارکن اور انسانی حقوق کی تنظیموں جیسے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور ذرائع ابلاغ کے نمائندے اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔

ائیر مارشل 1926 میں پیدا ہوئے جبکہ میں 1936 میں پیدا ہوا۔ اس لحاظ سے وہ مجھ سے دس برس بڑے تھے۔ وہ نہ صرف عمر میں مجھ سے بڑے تھے بلکہ ہر لحاظ سے بڑے تھے۔ ائیر مارشل مارچ 1972 سے اپریل 1979 تک پاک فضائیہ کے سربراہ رہے۔ اس کے بعد ذوالفقار علی بھٹو سے کسی وجہ سے اختلاف کے باعث وہ احتجاج کے طور پر مستعفی ہو گئے۔ آپ کئی برس تک ایچ آر سی پی کے پنجاب چیپٹر کے وائس چیئر رہے۔ اس کے بعد طویل عرصے تک خزانچی اور دیگر حیثیتوں سے مختلف خدمات سرانجام دیتے رہے۔ 17 دسمبر 2019 کو 93 برس کی عمر میں وفات پا گئے۔ عاصمہ جہانگیر کی اچانک وفات کے بعد ایچ آر سی پی کے لیے یہ دوسرا بڑا صدمہ تھا۔ ائیر مارشل کو اپنی طویل عمر میں کئی صدمات برداشت کرنے پڑے۔ ان کا جواں سال بیٹا، ڈاکٹر عارف امریکہ میں وفات پا گیا اور امریکہ میں ہی اس کی تدفین عمل میں آئی۔ پھر ان کے بڑے بہنوئی میجر جنرل ناصر احمد چوہدری بیت النور ماڈل ٹاؤن لاہور میں 28 مئی 2010 کو جمعہ کی نماز ادا کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ پھر ان کی اہلیہ محترمہ قمر ظفر احمد چوہدری 67 سالہ رفاقت کے بعد وفات پا گئیں۔ منیر نیازی نے کہا تھا:

کل دیکھا اک آدمی
اٹا سفر کی دھول میں
گم تھا اپنے آپ میں
جیسے خوشبو پھول میں

جب میں یہ شعر پڑھتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے کہ منیر نیازی نے یہ شعر ائیر مارشل کے بارے میں کہا تھا۔ اپنی لگن میں مگن، دیانتدار اور شفاف انسان تھے۔ کبھی آپ کو موقع ملے تو ان کی کتاب My Days in Air Force ضرور پڑھیے۔

احمد ندیم قاسمی نے کہا تھا:

زندگی شمع کی مانند جلاتا ہوں ندیم
بجھ تو جاؤں گا مگر صبح تو کر جاؤں گا
کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا

شاعر بے مثال عبید اللہ علیم نے کہا تھا:

ہو کے دوش پہ رکھے ہوئے چراغ ہیں ہم
جو بجھ گئے تو ہوا سے شکایتیں کیسی

ائیر مارشل کے والد چوہدری بشیر احمد کاہلوں مرحوم پاکستان بننے سے قبل دہلی میں سب جج تھے۔ ائیر مارشل اس وقت سکول کے طالبعلم تھے۔ انہیں ٹیوشن کی ضرورت تھی۔

ایک دفعہ کابینہ کا اجلاس تھا۔ ڈرنکس سرو ہو رہی ہیں کہ بیرہ وسکی کا بڑا ٹرے لے کر ائیر مارشل کے پاس چلا گیا۔ بھٹو نے بلند آواز میں کہا۔ "تمہیں پتہ نہیں ائیر مارشل ڈرنک نہیں کرتے۔ یہ مولانا وسکی کے لیے ہے"۔ آپ سب جانتے ہیں کہ "مولانا وسکی" سے مراد ایک مذہبی و سیاسی شخص تھے جو بھٹو کابینہ میں مذہبی امور کے وزیر بھی رہے تھے۔

نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر پروفیسر عبدالسلام اور ائیر مارشل میں بہت گہری دوستی تھی۔ دونوں میں ایک چیز مشترکہ تھی کہ دونوں کی پیدائش کا سال 1926 تھا اور دونوں راوین تھے۔ ڈاکٹر صاحب تو 22 برس قبل 70 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

1965 میں ائیر مارشل کی پوسٹنگ سرگودھا میں ہوئی تھی۔ تو گالا نائٹ میں آپ نے اور بیگم قمر ظفر صاحبہ نے دلہا دلہن کا لباس پہن کر گھوڑے پر بیٹھ کر انٹری دی۔ اس واقعہ کا ذکر سکواڈن لیڈر اشفاق نقوی نے اپنی دلچسپ سوانح عمری "پاپ بیتی" میں کیا ہے۔

ائیر مارشل کے والد چوہدری بشیر احمد کاہلوں مرحوم پاکستان بننے سے قبل دہلی میں سب جج تھے۔ ائیر مارشل اس وقت سکول کے طالبعلم تھے۔ انہیں ٹیوشن کی ضرورت تھی۔ والد صاحب نے اپنے دوست سائل دہلوی (شاعر) سے کہا کہ وہ کسی ٹیوٹر کا استعمال کریں۔ نواب سائل نے کہا کہ "میں خود پڑھاؤں گا۔ جج صاحب عدالت جاتے ہوئے تانگے والے کو ایک روپیہ آنے اور ایک روپیہ جانے کا دیتے تھے۔ طے یہ ہوا کہ وہ روزانہ عدالت تو تانگہ پر جائیں گے مگر واپس پیدل آئیں گے۔ اس طرح مہینہ کے جو 30 روپے بچیں گے وہ ائیر مارشل کے ٹیچر کی فیس میں ادا ہو جائیں گے۔

ائیر مارشل کی وفات سے چند دن قبل میں نے انہیں فون کیا۔ ایک نوجوان نے فون اٹھایا۔ میں نے اپنا تعارف کروانے کے بعد کہا کہ میں ائیر مارشل کو فون کر کے ان کی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بہت خوش ہوئے اور بار بار میرا شکریہ ادا کیا۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ بلاوے کے باوجود ان کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکا اور اللہ تعالی کی طرف سے انہیں بلاوا آ گیا۔ لیکن اس بات کی خوشی ہے کہ میں نے ان سے بات کر لی۔ یادداشت بالکل ٹھیک تھی اور آواز بھی۔ اب میں ان کے بیٹے کرنل عمر کی طرف سے سب دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور ان کا سلام پہنچاتا ہوں اور ان کی طرف سے بہت بہت معذرت اور غیر حاضری کی معافی کہ وہ اس موقع پر حاضر نہ ہو سکے کیونکہ انہوں نے ایک ضروری اجلاس کے لیے اسلام آباد جانا ہے۔

اس وقت اس اجلاس میں میرے علاوہ ایچ آر سی پی کے صرف تین بانی اراکین ہیں: حنا جیلانی، حسین نقی اور اور چیئر پرسن ڈاکٹر مہدی حسن۔ باقی سب چہرے میرے لیے نئے ہیں۔ آئی اے رحمان کی کمی بری طرح محسوس ہو رہی ہے۔ وہ لاہور شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں مگر ان کا شاندار مضمون ائیر مارشل کی یاد میں روزنامہ ڈان میں شائع ہو گیا تھا۔

غزالہ حیات، خاور ممتاز، سلیمہ ہاشمی اور نازش عطا اللہ بھی آج موجود نہیں ہیں جس کا مجھے افسوس ہے۔

منیر نیازی نے کہا تھا:

پہلی بات ہی آخری بات تھی
جب سب باتیں کہ دیں
تو پھر کہنے کو کیا رہ جائے گا
کچھ باتیں ان کہی رہنے دو

"ان کہی باتیں" پھر کبھی سہی۔ انشاءاللہ

اب آخر میں عاصمہ جہانگیر اور ائیر مارشل کے لیے فاتحہ اور دعا میں میرے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ خدا حافظ

یہ مضمون ایچ آر سی پی کی طرف سے ائیر مارشل ظفر احمد چوہدری کے لیے ہونے والے تعزیتی ریفرنس مورخہ 30 دسمبر 2019 کو پڑھا گیا تھا۔

علم خان کی گمشدگی

تربت/ مکران 6اپریل پنجگور میں بی ایس او پجاّر، پنجگور زون کے پریس سیکرٹری علم خان گھر سے گرفتاری کے بعد لاپتہ ہوگئے۔ ترجمان بی ایس او پجار نے جاری بیان میں کہا کہ لاپتہ افراد کا مسئلہ ایک اہم مسلہ ہے اور روز روز بگڑتا جارہا ہے۔ پنجگور زون کے پریس سیکرٹری کو 6اپریل شام کو گھر سے گرفتار کیا گیا جو تا حال لاپتہ ہے۔ علم خان بلوچستان یونیورسٹی میں ایم اے بلوچی کے طالب علم تھے جو کرونا اور تعلیمی اداروں کی بندش کی وجہ سے اپنے گھر گئے تھے۔ جبکہ ایچ آر سی پی تربت ٹاسک فورس کی طرف سے وفاقی حکومت، بلوچستان کی صوبائی حکومت اور سیکورٹی فورسز سمیت تمام متعلقہ سرکاری اداروں سے استدعا ہے کہ لاپتہ افراد کا مسلہ اب جلد از جلد حل کیا جائے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے دنیا بھر میں ملک کی بدنامی ہورہی ہے۔

(رپورٹ: ایچ آر سی پی اسپیشل ٹاسک فورس)

گوکدان میں خاتون کے خودکشی کا واقعہ

تربت/ مکران 13جون2020 کی صبح تین بچّوں کی ماں فاطمہ بنت اسحاق ساکنِ مزن بند دشت کی لاش اپنے گھر میں پائی گئی جس پر ریڈیو زرمبش اردو نے رپورٹ نشر کرتے ہوئے بتایا کہ خاتون نے اپنے شوہر کے گھر واقعہ گوکدان تحصیل تربت میں گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کرلی ہے کیونکہ دو سال پہلے اس کے بھائی امام اسحاق کو پاکستان آرمی کے اہلکاروں نے دشت میں اغواء کرکہ لاپتہ کردیا تھا جو تا حال لاپتہ ہے۔ بھائی کے اغوا اور لاپتہ ہونے کی وجہ سے ان کی بہن فاطمہ کافی عرصے سے ذہنی دباؤ کا شکار تھیں۔ جبکہ ان کے دوسرے بھائی مجید اسحاق نے ویڈیو کے زریعے بتایا ہے کہ ان کی بہن فاطمہ اسحاق نے ہرگز خودکشی نہیں کی ہے، بلکہ انہیں قتل کردیا گیا ہے۔ اور انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اس سلسلے میں انہیں انصاف دلایا جائے۔ تاہم ان کے بازقریبی عزیزوں اور معتبر زرایع کے مطابق ریڈیو زرمبش اردو کی رپورٹ درست ہے اور حقیقت یہی ہے کہ فاطمہ اسحاق واقعی اپنے بھائی امام اسحاق کے جبری اغوا اور غم شدگی کے واقعے کی وجہ سے کافی پریشان رہی ہیں۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے دو تین دفعہ خودکشی کی ناکام کوشش کی تھی۔ جبکہ خودکشی کے موجودہ آخری کوشش میں بلآخر وہ کامیاب ہوگئیں جو افسوس کا مقام ہے۔

(رپورٹ: ایچ آر سی پی اسپیشل ٹاسک فورس)

کوویڈ19۔ بحران کے دوران انسانی حقوق کے دفاع کار اور پسے ہوئے طبقے: خوراک کے عدم تحفظ پر قابو

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے کوئٹہ چیپٹر نے 06 جون 2020 کو" کوویڈ-19 بحران کے دوران خوراک کے عدم تحفظ پر قابو" کے عنوان پر ایک آن لائن سیمینار کا اہتمام کیا۔ ایچ آر سی پی کے بلوچستان چیپٹر کے وائس چیئر طاہر حبیب ایڈووکیٹ سیمینار کے مقرر تھے۔ سیمینار میں ضلع خضدار اور کوئٹہ سے تعلق رکھنے والے سیاسی نمائندوں، صحافیوں، وکلا، ماہرین تعلیم اور سول سوسائٹی کے کارکنوں نے شرکت کی۔

شرکا نے وبا کے دوران بلوچستان کی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا۔ ان سب کی متفقہ رائے تھی کہ بلوچستان قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود، کئی اضلاع میں خوراک کے شدید عدم تحفظ کا شکار ہے، جبکہ اکثریتی آبادی کا اپنی خوراک کی ضروریات کے لیے زراعت پر انحصار ہے مگر خطے میں امن عامہ کے مسائل اور داخلی گشیدگیوں نے خوراک کے قلت کو جنم دیا ہے۔ کمزور نظم ونسق، انتہائی سیاست زدہ اداروں، انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں، ناقص امن عامہ، دہشت گردی، فرقہ وارانہ ہلاکتوں اور اندرون ملک نقل مکانی نے صورتحال کو اور زیادہ گھمبیر کردیا ہے۔ مزید برآں، شرکا اس امر پر بھی متفق تھے کہ پاکستان ان ممالک میں شامل ہے جہاں موسم کی میں ہونے والے شدید ردوبدل خوراک کے عدم تحفظ کا سبب بنتے ہیں۔ بلوچستان میں، 2019 کے دوران بارش کی شرح اوسط شرح سے 45 فیصد نیچے رہتی ہے۔ جس نے پانی اور خوراک کے فقدان کو جنم دیا تھا۔ یہ حقیقت ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ماہرین تن پیمائی کے مطابق، پاکستان کے خوراک کے عدم تحفظ کا زیادہ تر مسئلہ کوویڈ-19 سے پہلے کا ہے۔ پاکستان ان ممالک میں شامل ہیں جو خوراک کے شدید بحران میں مبتلا ہیں اور پانچ برس سے کم عمر 40 فیصد سے زائد بچے ناقص نشوونما کا شکار ہیں۔ بلوچستان میں حالیہ برسوں میں ٹڈیوں کے حملوں سے خوراک کا عدم تحفظ اور بھی زیادہ سنگین ہونے کا خدشہ ہے۔ بلوچستان میں، زرعی اراضی ٹیوب ویلوں کے پانی سے سیراب ہوتی ہے جس کے لیے بجلی کا مؤثر نظام چاہیے۔ دیہی بلوجستان کو ہر روز چار گھنٹے سے زیادہ بجلی نہیں ملتی، اور اس چیز نے صوبے کی زراعت کو شدید متاثر کیا ہے۔ نتیجے کے طور پر، خوراک کا عدم تحفظ بڑھ گیا ہے۔ اس کے علاوہ، ایران سے خوراک لینے والے سرحدی علاقے کو اب خوراک کے بحران کا سامنا ہے کیونکہ کوویڈ19 وبا کی وجہ سے سرحدیں بند ہوگئی ہیں۔ صوبہ بلوچستان میں وسائل کی سرمایہ کاری کی اشد ضرورت ہے تاکہ بڑھتی ہوئی بے روزگاری پر قابو پایا جائے اور لوگوں کو غربت کی اتھاہ گہرائیوں سے بچایا جاسکے۔ صوبائی حکومت صوبے میں غریب لوگوں خوراک کا راشن تقسیم کررہی ہے، مگر یہاں کئی ایسے خاندان ہیں جنہیں ابھی تک حکومت کی طرف سے راشن نہیں ملا۔ سیمینار خطے میں خوراک کے بڑھتے ہوئے عدم تحفظ کے بارے میں انسانی حقوق کے دفاع کاروں اور سماجی کارکنوں میں شعور پھیلانے کے حوالے سے بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ شرکا کو اس صورتحال پر قابو پانے کے لیے ضروری اقدامات پر غوروخوض کرنے کا موقع بھی ملا۔ تمام شرکاء کے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ خوراک کا تحفظ ایک پالیسی معاملہ ہے، اور اگرچہ خوراک کی پیداوار کافی ہے، مگر اصل مسئلہ اس کی تقسیم اور حکومتی پالیسیوں کا ہے۔ اس متفقہ آرا کے ساتھ، ایچ آر ڈیز نے فیصلہ کیا کہ وہ اس مہلک بحران کے خاتمے کے لیے ممکنہ حل تجویز کرنے کے لیے ایک بار پھر اکٹھے ہوں گے۔

ڈنک تربت میں ڈکیتی اور قتل کا واقعہ

تربت/ مکران 26 مئی 2020 کو ڈنک تربت میں آدم نامی ایک شخص کے گھر میں مصلہ لٹیروں نے آدھی رات کو نقب زنی کرکہ خفیہ اجنسیوں کے نام پر گھر کے تمام خواتین وحضرات کو ڈرا دھمکا کہ ایک کمرے میں بند کردیا اور گھر کا صفایا کرلیا۔ اور مذاحمت کرنے پر ایک خاتون مَلِک ناز بنت آدم زوجہ حامد کو قتل کردیا اور انکی برمش نامی چار سالہ بچی کو شدید زخمی کردیا اور وہاں سے بھاگ گئے۔ تاہم موقع پر ان میں سے ایک شخص پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا جبکہ باقی فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ یکم جون 2020 کو تربت شہر میں پریس کلب سے لے کر فدا شہید چوک تک ایک لمبی اور بڑی عوامی ریلی نکالی گئی جس سے متعلقہ خاندان، سول سوسائٹی، ایچ آر سی پی تربت ٹاسک فورس اور تمام سیاسی جماعتوں نے تعاون کیا۔ ریلی نے فدا شہید چوک پر جلسے کی شکل اختیار کرلی جس سے کہی خواتین وحضرات نے خطاب کرتے ہوئے واقعہ کی مزمّت کی اور باقی لٹیروں کی گرفتاری اور سزاؤں کا پرزور مطالبہ کیا۔ جس کے بعد پولیس نے دعویٰ کیا کہ باقی لٹیروں کو بھی گرفتار کیا گیا ہے اور تمام لٹیروں کو قرار واقعی سزائیں دی جائینگی۔

(رپورٹ: ایچ آر سی پی اسپیشل ٹاسک فورس)

دازن میں ڈکیتی اور قتل کا واقعہ

تربت / مکران 14 اور 15 جون کی درمیانی رات کو دازن، تحصیل تمپ، ضلع کیچ کے ایک گھر میں دو یا تین ڈاکو گُس گئے۔ جہاں کلثوم زوجہ نبی بخش بنت سیٹھ سعید اپنے چار کم سن بچوں کے ساتھ سوئی ہوئی تھیں۔ ڈاکوؤں نے انہیں پکڑ کر ان کے دونوں کان کاٹ لیے اور کانوں کے زیورات چین لیے۔ ان کا موبائل بھی چین لیا اور سندوک کھول کر اس میں رکھے ہوئے 25 ہزار روپے، کپڑے اور تمام دوسری قیمتی چیزیں بھی لوٹ لی۔ اور مزاحمت کرنے پر خاتون کا گلہ کاٹ کر انہیں قتل کر دیا اور گھر سے نکل کر فرار ہوگئے۔ کلثوم کے والد سیٹھ سعید الگ اپنے گھر میں سو رہے تھے جبکہ ان کے شوہر نبی بخش دبئ میں ہیں۔ 15 جون 2020 کی صبح جب علاقے کے لوگوں، سیاسی جماعتوں اور سیول سوسائٹی کو پتہ چلا تو انہوں نے پورے تمپ میں شٹر ڈاؤن ہڑتال کرلی، واقعہ کی شدید مذمت کی اور حکومت سے پرزور مطالبہ کیا کہ ڈاکوؤں کو گرفتار کرکہ قرار واقعی سزائیں دی جائیں۔ اور اگر ایک ہفتے کے اندر اندر ڈاکوؤں کو پکڑ کر سزائیں نہیں دی گئیں تو علاقے کے لوگ اور سیاسی جمائتیں روڈ بلاک کرکہ باقائدہ تحریک چلائیں گے۔

(رپورٹ: ایچ آر سی پی اسپیشل ٹاسک فورس)

دازن واقعہ کے خلاف احتجاجی ریلی اور جلسہ

تربت / مکران 17 جون کو دازن کی ڈکیتی اور قتل کے المناک واقعے کے خلاف عوام، سیاسی جماعتوں اور سیول سوسائٹی کی جانت سے ایک احتجاجی ریلی دازن سے نکل کر تمپ پہنچی اور آسکانی میڈیکل سنٹر کے قریب جلسے کی شکل اختیار کرلی، جس کے سامنے بعض لوگوں نے تمام ملزمان اور واقعے کے ذمہ داران کی فوری گرفتاری اور قرار واقعی سزاؤں کا پُرزور مطالبہ کیا۔ (رپورٹ: ایچ آر سی پی اسپیشل ٹاسک فورس)

ٹیکسٹائل انڈسٹریز میں انسانی حقوق کا بدترین استحصال

مظفرگڑھ مظفرگڑھ میں متعدد ٹیکسٹائل انڈسٹری قائم ہے ان ٹیکسٹائل انڈسٹریز میں افسران انسانی حقوق کا بدترین استحصال کر رہے ہیں۔ ایک مزدور سے چار مزدوروں کی مشقت لی جاتی ہے۔ مظفرگڑھ میں قائم ٹیکسٹائل ملز مزدوروں کو پینے کا صاف پانی تک مہیا نہیں کیا جاتا۔ حالیہ صورتحال یہ ہے کہ محمود ٹیکسٹائل ملز یونٹ نمبر 5 ڈی جی خان روڈ مظفرگڑھ میں ملز افسر عبدالکریم پروڈکشن منیجر کی پشت پناہی میں ہیڈ جابر صفدر اور جابر اسلم نے مزدوروں کے بنیادی حقوق پر انتہائی بھیانک ڈاکہ ڈالا

مظفرگڑھ محمود ٹیکسٹائل ملز ڈی جی خان روڈ مظفرگڑھ میں مزدوروں کے حقوق کے لئے افضل مگسی قیادت احتجاج کر رہے ہیں

ہوا ہے مزدوروں سے جبری مشقت لینے کے باوجود مزدوروں کو معاوضہ نہیں دیا جاتا۔ گزشتہ دنوں محمود ٹیکسٹائل ملز یونٹ نمبر 5 کے ایک بزرگ مزدور کو اُسوقت پروڈکشن منیجر عبدالکریم کی ایماء پر نوکری سے فارغ کیا گیا ہے جب وہ اپنی بیٹی کے جہیز فنڈ کے لیے محمود ٹیکسٹائل ملز یونٹ نمبر 5 کی انتظامیہ کو درخواست دے رہا تھا یہ انسانی حقوق پر سرعام ڈاکہ ہے۔ محمود ٹیکسٹائل ملز یونٹ نمبر 5 کے افسران مزدوروں کی تنخواہ سے کٹوتی کے باوجود مزدوروں کو سوشل کارڈز جاری نہیں کرتے جو کہ انسانی حقوق سمیت مزدوروں کے حقوق کی بُری طرح پامالی ہے۔ ظلم کی انتہاء تو یہ ہے کہ گزشتہ کچھ عرصہ پہلے دوران ڈیوٹی محمود ٹیکسٹائل ملز یونٹ نمبر 5 میں ایک محنت کش گٹر میں گر کر زخمی ہوگیا تھا ملز کے ظالم افسران نے اُس مزدور کو نہ ہی کوئی طبی امداد فراہم کی اور نہ ہی سوشل کارڈ جاری کیا باوجود اس ظلم کے اُس مزدور کو نوکری سے فارغ کردیا گیا۔

متعدد مزدوروں کا کہنا ہے ملز افسران ہمیں مارتے بھی ہیں۔ 23 جون کو مزدوروں نے اپنے حقوق کی خاطر افضل مگسی چیئرمین سنگت اتحاد گروپ وضلعی رہنما پی۔ وائے۔ او۔ کی قیادت میں میڈیا کے سامنے احتجاج ریکارڈ کرایا تو ملز انتظامیہ و ڈسٹرکٹ انتظامیہ نے افضل مگسی کے خلاف جھوٹا مقدمہ درج کرانے کے لیے تھانہ سول لائن مظفرگڑھ میں درخواست گزاری ہوئی ہے جو کہ صرف اور صرف۔ مزدوروں کے حقوق کی آواز کو دبانے کے لیے ہے۔ افضل مگسی کا کہنا ہے کہ میں مزدوروں کیساتھ ہونیوالی ناانصافیوں اور مظالم کیخلاف ہر فورم پر آواز اُٹھاؤں گا۔ افضل مگسی نے ہیومین رائٹس سے اپیل کی ہے کہ مظفرگڑھ میں قائم تمام انڈسٹریز مزدوروں کے حقوق سلب کر رہی ہیں لہذا ہیومین رائٹس کمیشن آف پاکستان مزدوروں کے انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔

(افضل مگسی)

کم عمری میں سزائے موت پانے والا قیدی 21 سال بعد رہا

کراچی کم عمری میں سزائے موت پانے کے بعد زندگی کے 21 سال جیل میں گزارنے والے محمد اقبال بالاخر رہا کر دیے گئے۔ جسٹس پروجیکٹ پاکستان (جے پی پی) کے مطابق محمد اقبال نے جرم کا ارتکاب اس وقت کیا تھا جب وہ قانونی لحاظ سے نابالغ یعنی 18 سال سے کم عمر تھے۔ واضح رہے کہ جسٹس پروجیکٹ پاکستان ایک غیر منافع بخش، انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والی لا فرم ہے جو مفت قانونی مشورے، سخت سزاؤں کا سامنا کرنے والے غریب و کمزور قیدیوں کو نمائندگی اور تحقیقاتی خدمات فراہم کرتی ہے۔ وکالت کرنے والے گروپ سے جاری بیان کے مطابق 1998 میں محمد اقبال صرف 17 برس عمر کے تھے جب انہیں گرفتار کیا گیا اور ایک برس بعد موت کی سزا سنا دی گئی۔ بعدازاں 2001 میں ایک صدارتی حکم نامے کے ذریعے آرڈیننس سے قبل سزائے موت پانے والے قانونی نابالغوں کو معافی دے دی گئی۔ تاہم محمد اقبال قانونی طور پر نابالغ ثابت ہوجانے کے باوجود سزائے موت پانے والوں کی قطار میں موجود رہے۔ بیان میں کہا گیا کہ حکومت پنجاب نے 2003 میں لاہور ہائی کورٹ کو ایک خط لکھا اور محمد اقبال کو ان قیدیوں کی فہرست میں شامل کیا گیا جو رہائی کے حقدار تھے۔ مزید برآں انسانی حقوق کی متعدد تنظیموں، اقوام متحدہ کے نمائندگان خصوصی نے مارچ میں حکومت پاکستان کو خط لکھ کر رحم کا مطالبہ کیا اور اقبال کی سزائے موت تبدیل کرنے کی درخواست کی۔ خط میں کہا گیا کہ اقبال کو جب چوری اور قتل کی سزا سنائی گئی اس وقت ان کی عمر صرف 17 برس تھی۔ بیان میں مزید کہا گیا کہ '2 دہائی بعد بالآخر لاہور ہائی کورٹ نے اس بات کو تسلیم کیا کہ اقبال پر ظلم کیا گیا اور وہ سزائے موت کے انتظار کرنے کے مستحق نہیں تھے'۔ چنانچہ رواں برس فروری میں ان کی سزائے موت عمر قید میں تبدیل کردی گئی تھی اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ قید میں عمر قید کی سزا کا عرصہ کاٹ چکے ہیں تو 30 جون 2020 کو انہیں رہا کر دیا گیا۔ (انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1	تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔
دفعہ -2	ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقتدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔
دفعہ - 3	ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 4	کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔
دفعہ - 5	کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔
دفعہ - 6	ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔
دفعہ - 7	قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔
دفعہ - 8	ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔
دفعہ - 9	کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 10	ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔
دفعہ - 11	(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا چکی ہوں۔ (2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔
دفعہ - 12	کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 13	(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔
دفعہ - 14	(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ (2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔
دفعہ - 15	(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔ (2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔
دفعہ - 16	(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ (2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔ (3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔
دفعہ - 17	(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 18	ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتماعی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔
دفعہ - 19	ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔
دفعہ - 20	(1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔
دفعہ - 21	(ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔ (3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔
دفعہ - 22	معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔
دفعہ - 23	(1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔ (3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔ (4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔
دفعہ - 24	ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔
دفعہ - 25	(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح وبہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔ (2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔
دفعہ - 26	(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔ (2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔ (3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔
دفعہ - 27	(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔ (2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں
دفعہ - 28	ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔
دفعہ - 29	(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔ (2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح وبہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔ (3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔
دفعہ - 30	اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

جولائی

انسانی حقوق کے عالمی دن

5 جولائی (جولائی کا پہلا ہفتہ)	تعاون کنندگان کا عالمی دن
11 جولائی	آبادی کا عالمی دن
18 جولائی	نیلسن منڈیلا کا عالمی دن
28 جولائی	ہیپاٹائٹس کا عالمی دن (ڈبلیو ایچ او)
30 جولائی	دوستی کا عالمی دن
30 جولائی	انسانی سمگلنگ کے خلاف عالمی دن

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔

جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوان جمہور'' 107۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15